اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ۔ التبیان فی أیمان القرآن: ص: ۳۱۰)

شمارہ نمبر ۷

جلد: ۲- شمارہ نمبر: ۷- شعبان: ۱۴۴۵ھ، فروری: ۲۰۲۴ء

اس شمارے میں:

- معروف مزعومہ مفکرین کے فتنے اور ہماری سادہ لوحی (قسط دوم)
- امام لالکائی رحمہ اللہ سے متعلق ڈاکٹر حافظ زبیر کے بعض مغالطات کا جواب
- ابو بکر صدیق : فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط دوم)
- امام لالکائی رحمہ اللہ کا تعارف اور ڈاکٹر زبیر کی ہفوات
- اہل بدعت سے علم حاصل کرنے اور ان کی تقریر وغیرہ سننے کے تعلق سے سلف صالحین کا منہج (قسط سوم)
- لفظ "منہج" پر اعتراض اور اس کے جوابات () (قسط اول)
- "سید قطب مالہ وماعلیہ" ایک تنقیدی جائزہ
- ڈاکٹر محمد عمارہ مصری کے افکار و نظریات

اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

دوماہی منہج سلف

جلد:۲-شمارہ نمبر:۷-شعبان:۱۴۴۵ھ، فروری:۲۰۲۴ء

زیر اشراف:
فاروق عبداللہ نراین پوری
ابو احمد کلیم الدین یوسف

مدیر:
حافظ علیم الدین یوسف

نائبان:
عبداللہ عبدالرشید مدنی
حافظ فیضان عالم

معاونین:
محمد آصف سلفی
حافظ آفتاب عالم
کامران اشرف سلفی

منہج سلف کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا مقصد خالص سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور منحرفانہ وملحدانہ افکار کی بیخ کنی ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

"جماعت اہل حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا، ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ وتقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے، تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، ومنکرین حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں، اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہوگئے ہیں جو کہ اہل حدیث کے ذکر سے شرماتے ہیں"۔ (مقدمہ حسن البیان: ص:۱۹)

فہرست عناوین

اداریہ		۳
معروف مزعومہ مفکرین کے فتنے اور ہماری سادہ لوحی (قسط دوم)	ابو احمد کلیم الدین یوسف	۶
امام لالکائی رحمہ اللہ سے متعلق ڈاکٹر حافظ زبیر کے بعض مغالطات کا جواب	شیخ ضیاء الحق تیمی	۲۸
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط دوم)	حافظ علیم الدین یوسف	۳۸
امام لالکائی رحمہ اللہ کا تعارف اور ڈاکٹر زبیر کی ہفوات	عبد اللہ عبد الرشید سلفی	۵۰
اہل بدعت سے علم حاصل کرنے اور ان کی تقریر وغیرہ سننے کے تعلق سے سلف صالحین کا منہج (قسط سوم)	مامون رشید بن ہارون رشید سلفی	٦۰
لفظ "منہج" پر اعتراض اور اس کے جوابات ()(قسط اول)	عبد العزیز یوسف	۷۴
"سید قطب مالہ وماعلیہ" ایک تنقیدی جائزہ	محمد عمر صلاح الدین	۸۸
ڈاکٹر محمد عمارہ مصری کے افکار و نظریات	مامون رشید بن ہارون رشید سلفی	۹۴

اداریہ

(فہم سلف کی ضرورت کیوں؟)

اللہ رب العالمین نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کی خاطر بے شمار انبیاورسل بھیجے، جن میں بعض پر اپنی کتابیں بھی نازل کی، سابقہ تمام ادیان تحریف کا شکار ہوگئے، انہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں من چاہی تحریف کی، چنانچہ یہود نے آسمانی شریعت کی تحریف میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا، اور نصرانیوں نے اللہ رب العالمین کی وحدانیت پر حملہ کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، نیز انہیں اللہ کا بیٹا اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو -نعوذ باللہ- اللہ کی بیوی گردانا۔ پھر اللہ رب العالمین نے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، ان پر اپنی آخری کتاب نازل فرمائی، جو تا قیامت آنے والے انسانوں کے لئے راہ نما ہے، جس کے پیغامات ابدی اور احکام دائمی ہیں، جسے تغیر و تبدل کا خطرہ نہیں ہے، کیوں کہ اس کی تحفظ کی ذمہ داری خود اللہ رب العالمین نے لی ہے، چنانچہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی کلام الٰہی کسی بھی قسم کی تحریف سے پاک ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ دین اسلام کے اصل مصادر کے محفوظ ہونے کے باوجود بھی امت محمدیہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی، جن میں ہر ایک کے مختلف عقائد و نظریات تھے، اور اس بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے عقیدے پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیا کرتے تھے۔

ذیل میں گمراہ فرقوں کے بعض عقائد اور قرآنی آیات سے ان کا اپنے موقف پر استدلال بیان کرتا ہوں۔

۱۔ خوارج نے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی تکفیر پر قرآن کی آیت: "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ"۔[۱] (اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں)۔ کو دلیل بنایا۔

---

(۱) سورۃ: المائدۃ، آیت: ۴۴۔

٢۔مانعین زکوۃ نے قرآن کریم کی اس آیت "خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ".[1](آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے جانتا ہے)۔سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ زکوۃ صرف نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک نکالنی تھی، آپ ﷺ کے انتقال کے بعد زکوۃ نہیں دی جائے گی۔

٣۔معتزلہ نے "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا".[2](اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا) کی معنوی تحریف کرتے ہوئے کہا کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالنا مراد ہے۔

٤۔بعض غالی صوفیا نے "وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ".[3](اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے)۔سے یہ مراد لیا ہے کہ: اللہ رب العالمین نبی اکرم ﷺ سے اس قدر قریب ہوگیا کہ اس کے بعد آپ سے شرائع اسلام پر تعمیل کی پابندی اٹھالی گئی۔

٥۔بعض صوفیا رقص کے جواز کی دلیل میں "اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا"[4](جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی) کو پیش کرتے ہیں۔

٦۔شیعوں نے "اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَةً"[5](اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے) سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مراد لیا ہے۔

---

(١)سورۃ التوبۃ، آیت:١٠٣۔

(٢)سورۃ النساء، آیت:١٦٤۔

(٣)سورۃ الحجر، آیت:٩٩۔

(٤)سورۃ الزلزلۃ، آیت نمبر:١۔

(٥)سورۃ البقرۃ، آیت:٦٧۔

۷۔ بعض منحرفین قرآن میں وارد لفظ "والشجرة الملعونة" سے بنو امیہ کو مراد لیتے ہیں۔

یہ اور اس کے علاوہ بے شمار ایسی تاویلات ہیں جو نصوص کو سامنے رکھ کر کی گئی ہیں، لہذا یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کے استدلالات درست ہیں؟ کیا ان کی تفسیر برحق ہے؟ انہوں نے دلائل کے ذریعہ جو عقائد پیش کئے ہیں کیا وہ صحیح ہیں؟ اور اگر نہیں تو ان استدلالات کے غلط ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ان کا فہم کیوں غلط ہے؟ یہاں اس سوال کا جواب تلاش کرنا نہایت ضروری ہو جاتا ہے کہ نصوص شریعت (قرآن وحدیث) سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مراد کیا ہے، اسے کس طرح سمجھا جائے؟

اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ: یہ ہمیں صحابہ کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی دلیل سے نبی اکرم ﷺ نے کیا مراد لیا ہے، کیوں کہ یہی وہ جماعت ہے جس نے نبی اکرم ﷺ سے بلا واسطہ دین لیا ہے، لہذا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فہم غلط نہیں ہو سکتا، اور جو کوئی بھی نصوص شریعت کی ایسی فہم پیش کرتا ہے جس پر فہم صحابہ کی مہر نہیں ہے، وہ یقیناً اپنی ذاتی فہم پیش کر رہا ہے جسے اللہ یا اللہ کے رسول ﷺ کی مراد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

ابو احمد کلیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

معروف مزعومہ مفکرین کے فتنے اور ہماری سادہ لوحی (قسط دوم)

ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جو اسلام کے نام پر غیر شرعی افکار و نظریات کی ترویج کرتے رہے، اور اسی کو تحقیق کا نام دیتے رہے، ہمارا زمانہ بھی ان مزعومہ مفکرین سے خالی نہیں، سیدھی سادھی عوام، بلکہ خواص کا وہ طبقہ جو ان مفکرین کی حقیقت سے واقف نہیں، وہ ان کے دام فریب میں آکر ان کی باتوں کو سراہتے ہیں، ان کا دفاع کرتے ہیں، اور لوگوں کو ان مفکرین کو پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں، ان مفکرین میں سے بعض کا تذکرہ ان کے افکار و نظریات کے ساتھ نہایت مختصر انداز میں کرتا چلوں تاکہ حقیقت واضح ہو سکے:

۱- **مولانا مودودی:** انہوں نے اشاعرہ و ماتریدیہ کے طرز پر صفات الہی کی تاویل کی، معتزلہ کے طرز پر بعض صفات الہی کا انکار کیا، معتزلہ کے طرز پر ہی بعض احادیث رسول کا انکار، وحدت الوجود کے کفریہ عقیدہ کو فروغ دیا، خوارج کے طرز پر امت مسلمہ کی تکفیر کی، روافض کے طرز پر بعض صحابہ کرام پر تنقید کی، اور بعض انبیائے کرام کے متعلق نازیبا جملے کا استعمال بھی کیا۔

۲- **ڈاکٹر اسرار:** وحدت الوجود جیسے کفریہ عقیدہ کے داعی تھے، اہل بدعت کے طرز پر تفسیر بالرائے کیا کرتے تھے، دور حاضر کے خوارج کے طرز پر توحید حاکمیت کے قائل تھے، خوارج کے طرز پر معصیت کے مرتکب کو ہمیشہ ہمیش کا جہنمی قرار دیا کرتے تھے، اہل حدیث اور سلفیوں سے بغض و عداوت رکھا کرتے تھے، روافض اور ان کی طرز حکومت کی تعریف کیا کرتے تھے اور اسی جیسی حکومت کا خواب دیکھا کرتے تھے۔

۳- **وحید الدین خان:** خالص وحدت الوجود کے قائل تھے، جن کے نزدیک رب کی صفات انسانوں کی صفات کے جیسی تھی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ نہیں مانتے تھے، ان کے خیال میں اسلامی شریعت کے بعض اجزاء عصر حاضر کیلئے مناسب نہیں تھے، بقول ان کے نصاری کی شریعت کے بعض احکام پر عمل کرنا درست تھا، امام مہدی، عیسی علیہ الصلاۃ والسلام وغیرہ کا ظہور انہیں ایک خیال لگتا تھا، بہت سی قیامت کی نشانیوں کو وہ حقیقی نہیں مانتے تھے، وہ کہتے تھے شاتم

رسول کی کوئی سزا نہیں تھی، نیز ان کا دعوی تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد سے آج تک کسی نے نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا، حتی کہ مرزا غلام قادیانی نے بھی نہیں کیا تھا، یعنی اس تعلق سے جو احادیث ہیں وہ سب کی سب لایعنی ٹھہریں، اور یہ بھی دعوی کرتے تھے کہ ان کی تنظیم میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو صحابہ کرام میں تھیں، اور بھی بہت سے اسلامی احکام کی الگ تعبیرات ہیں ان کے نزدیک۔

ہم میں سے بعض احباب ان کا کھل کر دفاع کرتے نظر آتے ہیں، بلکہ ان کا دفاع کرنے میں اہل حدیث اور اہل حدیثیت کو بھی نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے، جماعت وجمعیت ہمیشہ ان کی تنقید کی زد میں ہوتی، ایسے احباب ان کے دفاع چند اعتراض کرتے ہیں جنہیں میں مفصل انداز میں ذکر کرنے کی کوشش کروں گا ان شاءاللہ:

۱- بعض احباب کہتے ہیں: ان کا استدلال بھی تو قرآن وسنت سے ہی ہوتا ہے، جو باتیں قرآن وسنت کے موافق ہوں گی ہم اسے لے لیں گے، اور جو قرآن وسنت کے مخالف ہوں گی ہم اسے چھوڑ دیں گے۔

دراصل یہ بات "خذ ما صفا ودع ما كدر" پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، یعنی ان کتابوں میں جو اچھی باتیں ہیں انہیں لے لو اور جو باتیں مخالف شریعت ہیں انہیں چھوڑ دو۔

عوام الناس یا مبتدئین طلبہ کو ایسا مشورہ دینا بالکل خطرہ سے خالی نہیں، کیوں کہ ایسے لوگوں کے پاس تو حق وباطل کے مابین تمییز کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی تو اس قاعدہ پر عمل کیسے کریں گے؟

صفا وکدر کا نعرہ لگا کر سلفیوں کو اہل بدعت کی کتاب پڑھنے کی ترغیب دینا بالکل ویسے ہی جیسے کوئی شہد میں زہر ملا کر دے اور کہے کہ اللہ رب العالمین نے شہد میں شفا رکھی ہے، تم کو شہد سے مطلب ہونا چاہیے زہر سے نہیں۔

آخر وہ کون سا ایسا موضوع جس پر سلف نے اور منہج سلف کے پیروکاروں نے سیر حاصل بحث نہ کی ہو کہ ہمیں ایک خارجی ومعتزلی فکر کے حامل سے اس کو سمجھنے کی ضرورت پڑ گئی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فتنے کی پیشن گوئی کی ہے جس کا ظہور ان دعاۃ کی شکل میں ہوگا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے، وہ ہم میں سے ہی ہوں گے اور ہماری زبان ہی بولیں گے، اپنی باتوں کو اسلام کے نام پر ہی پیش کریں گے، ان کی باتیں اوپر سے بڑی سنہری ہوں گی لیکن اندر سے ہلاکت وگمراہی کا ذخیرہ ہوں گی، جس طرح راکھ اوپر سے ٹھنڈی ہوتی ہے لیکن اس کے اندر چھپی ہوئی چنگاری بڑا دھماکا کر سکتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اہل بدعت میں سے بعض لوگ فصاحت و بلاغت میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، چنانچہ اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش اس انداز سے کرتے ہیں کے اکثر لوگ اس کا احساس ہی نہیں کرپاتے، جیسے زمخشری وغیرہ۔(۱)

شیخ الکل في الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وعظ کے سننے اور سنانے کا فائدہ یہی ہے کہ ہدایت ہو، لوگ شرک وبدعت اور معاصی سے بچیں، توحید واتباع سنت کو لازم پکڑیں۔ اور ظاہر ہے کہ بدعتی مولویوں کے وعظ سے بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلتی ہے۔ ان کے بدعتی وعظ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں، بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں، سنت کو چھوڑتے ہیں، اور طرح طرح کی خرابیاں ہوتی ہیں۔ کما لا يخفی۔

رہا یہ خیال کہ "بدعتی مولویوں کے وعظ کے اندر جو باتیں خلاف قرآن و حدیث ہوں، ان کو سامعین خیال میں نہ لاویں اور باقی باتوں کو خیال میں لاویں"؛ صحیح نہیں۔ کیونکہ ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں کہ کون سی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور کون موافق۔ اور جس کو اس کی تمیز ہو اسے خلاف اور ناحق اور منکر باتوں کو سن کر انکار کرنا چاہیے، ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے۔ ہاتھ اور زبان سے انکار کی یہی صورت ہے کہ اس بدعتی واعظ کو بدعتی وعظ سے روکے۔ اور دل سے انکار کی یہ صورت ہے کہ اس کی مجلسِ وعظ میں شریک نہ ہو۔ الحاصل بدعتی مولویوں کا بدعی وعظ سننا نہیں چاہیے۔(۲)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: زمخشری فصیح اللسان اور بلیغ الکلام ہیں، اپنی بدعقیدگی کو ایسے خفیہ طور پر پیش کرتے ہیں کہ کسی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا، بلکہ سمجھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہی بات درست اور عین صواب ہے، حالانکہ اس کے اندر گمراہی کا آتش فشاں چھپا ہوتا ہے، مثال کے طور پر اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((فمن زحزح عن النار وأدخل الجنة فقد فاز))۔ ترجمہ: جو جہنم سے دور کردیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا یقیناوہ کامیاب ہوگیا۔

زمخشری اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ: "جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہو سکتی ہے"؟ یعنی سب عظیم کامیابی جنت کا حصول اور جہنم سے نجات ہے۔

---

(۱)[مجموع الفتاوی (۳۵۸/۱۳)]۔

(۲)[(فتاویٰ نذیریہ:۱/۲۳۹)]۔

زمخشری کا یہ کلام بہت عمدہ ہے، لیکن اس عمدہ کلام کے ذریعہ سے وہ در اصل دیدارِ الٰہی کا انکار کرنا چاہتے ہیں، کیوں جنت سے بھی عظیم نعمت اور کامیابی اللہ کا دیدار ہے، اور معتزلہ اللہ کے دیدار کو مانتے ہی نہیں ہیں۔ (١)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بعض نوجوانوں کا تعامل دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے، جہاں کوئی فصیح اللسان، بلیغ الکلام دیکھتے ہیں ان کی باتوں کو سننے لگتے ہیں اور ان سے متاثر ہونے لگتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں، سلف اہل بدعت کی مجلس میں جانے سے روکتے تھے، بلکہ اس مسئلہ میں سلف بہت سختی کیا کرتے تھے، اور ان کی یہ سختی مجھے بہت پسند ہے، اور سب سے زیادہ تعجب تو اس بات میں ہیں کہ وہ خود اپنے آپ پر بدعت سے خوف کھاتے تھے۔

معلوم یہ ہوا کہ اہل بدعت اپنی بات کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا یا ان کی گفتگو سننے والا ان کی بات کو حق سمجھ بیٹھتا ہے، کیونکہ وہ اپنی باتوں پر کتاب وسنت سے ہی استدلال کرتے ہیں، جب کہ حقیقت میں ان کا استدلال باطل ہوتا ہے۔

نیز اہل بدعت کا ایک ہتھیار اور طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی مجلس کی شروعات، اپنی گفتگو کا آغاز، یا اپنی کتابوں کے ابتدائی صفحات میں کتاب وسنت سے خوب استدلال کرتے ہیں، اور جب سامنے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ تو کتاب وسنت سے ہی بتلا رہے ہیں تو پھر وہ دھیرے دھیرے سنت کے ساتھ بدعت ملا کر پیش کرنا شروع کرتے ہیں، چنانچہ مفضل بن مہلہل فرماتے ہیں کہ:
«لو كان صاحب البدعة إذا جلست إليه يحدثك ببدعته حذرته , وفررت منه , ولكنه يحدثك بأحاديث السنة في بدو مجلسه , ثم يدخل عليك بدعته , فلعلها تلزم قلبك , فمتى تخرج من قلبك». (٢)

مفہوم: کسی بھی بدعتی کی مجلس میں بیٹھو گے تو وہ شروع سے ہی اپنی بدعت کو بیان نہیں کرے گا، کیوں کہ اگر وہ بدعت سے ہی مجلس کی شروعات کرے گا تو تم ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ گے، اس لئے وہ مجلس کی ابتدا ان احادیث سے کرتا ہے جو عظمتِ سنت پر دلالت کرتی ہوں، پھر اس کے بعد دوران گفتگو اپنی بدعات کو قدرے چالاکی سے پیش کرے گا، اگر وہ بدعت سنت کے نام پر تمہارے دل میں جگہ بنالے تو پھر کیسے باہر نکلے گی؟

---

(١)[شرح مقدمة التفسير لشيخ الإسلام ابن تيمية-رحمه الله- (١٠١/١)]۔

(٢)[الإبانة لابن بطه (ص١٤٠)]۔

اگر آپ غور فرمائیں تو مفضل بن مہلہل رحمہ اللہ کا یہ اثر اہل بدعت کی کتابوں پر پورے طور سے منطبق ہوتا ہے، یہ حضرات بھی اپنی کتابوں کی شروعات کتاب وسنت کے دفاع سے ہی کرتے ہیں، لیکن آگے چل کر ایسا گل کھلاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

مثال کے طور پر مولانا مودودی کی کتاب "خلافت وملوکیت" کو لے لیں، شروع کے صفحات قرآنی آیات اور اس کے ترجمہ سے مزین ہیں، احادیثوں کا انبار ہے، لیکن بعد میں جاکر جو انہوں نے جو گل کھلایا ہے وہ کسی صاحب عقل وخرد پر پوشیدہ نہیں ہے، خاص طور سے جنہوں نے ان کی اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ "خذ ما صفا ودع ما كدر" کا نعرہ درست نہیں، آپ صرف اور صرف فہم سلف کے مطابق کتاب وسنت کو سمجھنے کی اپنی عادت بنائیں، جس طرح آپ خالص سونا، خالص گھی، خالص دودھ اور خالص شہد وغیرہ کی تلاش میں رہتے ہیں، اس میں ملاوٹ کو پسند نہیں کرتے اسی طرح دین کے معاملات کو بھی صرف خالص قبول کریں اس میں ملاوٹ پسند نہ کریں، کیونکہ اس پر آپ کی جنت موقوف ہے، رب کی رضا کی بنیاد ہے، اور نبی کی شفاعت منحصر ہے۔

اہل بدعت کی کتابوں اور ان کی تقریریں سننے سے منع کرنے کی وجہ ان کے شبہات سے متاثر ہونا ہے، چنانچہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بدعتیوں سے علم حاصل کرنے میں دو خرابیاں ہیں:

۱-بدعتی عجبِ نفس میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ سمجھے گا کہ وہ حق پر ہے۔

۲-اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ لوگ اس سے دھوکے میں پڑ جائیں گے۔[۱]

یعنی جب عام لوگ دیکھیں گے کہ علماء ان بدعتیوں سے علم حاصل کر رہے ہیں تو وہ اس دھوکے میں پڑ جائیں گے کہ یہ بدعتی حق پر ہیں، کیوں کہ اگر وہ حق پر نہیں ہوتے تو یہ حق پرست علماء ان سے علم حاصل کیوں کرتے یا ان سے علم حاصل کرنے کی تلقین کیوں کرتے؟ کیوں کہ عوام کو حق وباطل کے درمیان تمیز کم ہوتی ہے، وہ اپنے علماء کی تقریر وتحریر اور ان کے تعامل وتصرف سے سیکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہود ونصاری کی کتابوں کو پڑھنے سے منع کیا ہے، حالاں کہ ان کی کتابوں پر ہمارا اجمالی ایمان ہے، اور یقیناوہ کتابیں وحی الہی سے خالی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو پڑھنے

---

(۱)[شرح حلیۃ طالب علم: (ص:۱۳۸)]۔

سے روکا بلکہ ناراضگی کا اظہار بھی کیا، کیوں کہ اس میں حق کے ساتھ باطل کی بھی آمیزش ہے، اور ہمارے پاس ایسی تعلیمات موجود ہیں جو صرف حق ہے۔

چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کی کتاب کا بعض نسخہ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوگئے اور فرمایا: «أمتهوكون يا ابن الخطاب؟! والذي نفسي بيده؛ لقد جئتكم بها بيضاء نقيّة، لا تسألوهم عن شيء فيخبروكم بحق فتكذبوا به أو بباطل فتصدقوا به، والذي نفسي بيده؛ لو أنّ موسى عليه السلام كان حياً ما وسعه إلا أن يتّبعني».(١)

مفہومِ حدیث: اے عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک تم متردد ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقینا میں تمھارے پاس بالکل صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، یہود ونصاری سے کچھ نہ پوچھا کرو، ہوسکتا ہے وہ تمھیں حق بتائیں اور تم انہیں جھٹلا دو، یا جھوٹ بتائیں تو تم انہیں سچ مان لو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آج موسی علیہ الصلاۃ والسلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی مجھ پر ایمان لانا پڑتا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: «وعمر انتفع بهذا حتى أنه لما فتحت الإسكندرية وجد فيها كتب كثيرة من كتب الروم فكتبوا فيها إلى عمر فأمر بها أن تحرق وقال: حسبنا كتاب الله».(٢)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت سے عمر رضی اللہ عنہ نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ ان کے دورِ خلافت میں جب اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں اہل روم کی بہت سی کتابیں پائی گئیں، عمر رضی اللہ عنہ سے ان کتابوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کتابوں کا کیا کیا جائے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام کتابوں کو جلانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔

---

(١)[حدیث حسن، الإرواء: (٦/٣٣٨-٣٤٠)]۔

(٢)[مجموع الفتاوی (١٧/٤١)]۔

مروذی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا کہ: میں نے ایک کتاب عاریتالی ہے، جس میں کچھ شریعت مخالف چیزیں ہیں، کیا میں اس کتاب کو پھاڑ دوں یا جلا دوں؟، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں بالکل اسے جلا دو یا پھاڑ دو، کیوں کہ اہل بدعت اپنی کتابوں میں بدعت داخل کر دیتے ہیں، میں اس قسم کی کتابوں سے سختی سے منع کرتا ہوں۔(۱)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اہل بدعت کی کتابوں سے دور رہنا چاہیے، کیونکہ ان کی کتابوں کا مطالعہ بدعت اور اہل بدعت سے محبت نیز ان کے شبہات سے متاثر ہونے کا سبب بنتا ہے، اور بدعتیوں کے کتابوں کی لوگوں کے درمیان ترویج و اشاعت بھی نہ کی جائے، کیونکہ ان کتابوں میں گمراہی ہوتی ہے، اور گمراہی کی جگہوں سے دور رہنا واجب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا: «من سمع به فلينأ عنه فوالله إن الرجل ليأتيه وهو يحسب أنه مؤمن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات». رواه أبو داود قال الألباني: وإسناده صحيح».(۲)

مفہوم حدیث: جو دجال کے آنے کی خبر سنے وہ اس سے دور رہے، اس کے قریب نہ جائے، اللہ کی قسم ایک آدمی اپنے آپ کو مؤمن سمجھے گا اور اس کے پاس مقابلہ کرنے کے لیے جائے گا، لیکن دجال اس کو اپنے شبہات میں ایسا الجھائے گا کہ وہ اسی کا پیروکار بن کر رہ جائے گا۔

چنانچہ اہل بدعت سے اور ان کی کتابوں سے دور رہنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اپنے آپ کو بڑا دقاق سمجھ کر ان کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کرے اور کہے کہ میں تو خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کروں گا، اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ اس فکر سے ایسا متاثر ہوا کہ خود اس کو بھی پتہ نہیں چلا۔

اس چیز کو سمجھنے کیلئے دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ذیل میں دو واقعہ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ ایک چھوٹی سی غلطی نے کیسے بڑے بڑوں کے منہج کو غارت کر کے رکھ دیا۔

عمران بن حطان اہل سنت والجماعت کے بڑے علماء میں سے تھے، صحابہ کرام کے شاگرد تھے، انہیں ایک لڑکی پسند آئی جو خوارج کے منہج پر تھی، عمران بن حطان نے کہا کہ میں اس سے شادی کر کے اسے اہل سنت میں تبدیل کر دوں گا، لیکن

---

(۱)[ہدایۃ الأریب الأمجد: (ص:۳۸)]۔

(۲)[مجموع فتاوی ورسائل: (۸۹/۵)۔ بتصرف یسیر]۔

شادی کے بعد عمران بن حطان کو اس خارجی عورت نے غالی قسم کا خارجی بنادیا، اور وہ ایسا خارجی بنا کہ علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کی تعریف میں قصیدے پڑھنے لگا۔(۱)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ منہج تبدیل ہونے میں وقت نہیں لگتا، ایمان، عقیدہ اور منہج کے سلسلے میں خود اعتمادی بڑی گھاتک ہوسکتی ہے۔

اسی طرح امام دارقطنی ایک مرتبہ اشاعرہ کے امام باقلانی سے بازار میں ملے اور ان کے سر پر ایک بوسہ دیا، یہی ایک بوسہ پورے ملکِ مغرب میں اشعریت کے پھیلنے کا سبب بن گیا، کیوں کہ لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام دارقطنی جیسے بڑے عالم کا باقلانی کو بوسہ دینا باقلانی کے عقیدہ ومنہج کے درست ہونے کی دلیل ہے، اسی حسن ظن کی بنیاد پر لوگوں نے اشعری مذہب کو گلے لگالیا۔(۲)

خلاصہ کلام یہ کہ کب کون کیسے اور کہاں بدعت میں مبتلا ہوجائے، اور کب حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگے کسی کو نہیں معلوم، اس لئے دین کی حفاظت اور عقیدہ کی صیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بدعت کی کتابوں سے مطلقا دور رہا جائے، کیونکہ ہر وہ حق بات جو اہل بدعت کی کتابوں میں موجود ہے، اس سے بہتر انداز میں اہل حق کی کتابوں میں موجود ہے۔

۲-کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: کیا ہماری اور آپ کی اہل حدیثیت اتنی کمزور ہے کہ اہل بدعت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یا ان کی تقریر سننے سے ختم ہوجائے گی؟

در اصل یہ سوال منہج سلف سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اگر سوال کرنے والے کو اہل بدعت کے متعلق سلف صالحین کے اقوال کی تھوڑی سی بھی واقفیت ہوتی تو وہ ایسا سوال ہرگز نہیں کرتے۔

امام الانبیاء خاتم النبیین، سید المرسلین اپنے سجدے میں بکثرت یہ دعا کرتے:«يا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دينك وطاعتك». اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو تو اپنے دین وبندگی پر ثابت رکھنا۔

---

(۱)[سیر أعلام النبلاء: (۲۱۲/۵)]۔

(۲)[سیر أعلام النبلاء(۵۵۸/۱۷)]۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے اللہ کے رسول ہم پ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اس کے باوجود آپ ہمارے اوپر خوف کھارہے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کیوں کہ لوگوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، جیسے وہ چاہتا ہے انہیں پلٹتا رہتا ہے۔(۱)

یہ دعا اس خوف سے کرتے کہ کہیں رب العالمین ان کے دل کو حق سے گمراہی کی طرف نہ پھیر دے۔

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایمان اتنا کمزور تھا کہ وہ دل کے پھیرے جانے سے ڈرتے تھے؟

عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ توریت کا نسخہ ہاتھ میں لئے پڑھ رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر غصہ سے لال ہوگئے، عمر رضی اللہ عنہ فوراً سنبھل گئے، جس کی تفصیل سطور بالا میں گذری۔(۲) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔(۳)

کیا یہ کہا جا سکتا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان اتنا کمزور تھا کہ توریت پڑھ لینے سے وہ بدل جاتے؟

ایوب السختیانی رحمہ اللہ بڑے جلیل القدر امام ہیں ان سے ایک بدعتی نے کہا کہ آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں تمہیں آدھی بات بھی پوچھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔(۴)

کیا ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا ایمان وعقیدہ بھی اتنا کمزور تھا کہ بدعتی کے سوال پوچھنے پر ختم ہو جاتا؟

---

(۱)[جامع الترمذی: (حدیث نمبر ۲۱۴۰)]۔

(۲)[مسند أحمد: (حدیث نمبر:۱۵۱۵۶)]۔

(۳)[الارواء: (۶/۳۳)]۔

(۴)[الشریعۃ للآجری: (۱/۴۳۹)]۔

بات دراصل یہ ہے کہ شبہات دل میں کب گھر کر جائیں یہ کسی کو پتہ نہیں چلتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:«من اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه».(۱)

جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کر لی۔

اگر کوئی اپنی اہل حدیثیت اور اپنی سلفیت سے بے فکر ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوگا تو وہ خواب غفلت میں ہے، کیوں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کار ضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنے ایمان کا خوف ستاتا تھا تو پھر ہما شما چین کی نیند کیسے سو سکتے ہیں؟

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: انسان کا دل کمزور واقع ہوا ہے وہ شبہات کے حملے کو سہنے کا متحمل نہیں۔(۲)

اس لئے شبہات سے دور رہنا چاہئے نہ کہ اس کے قریب جانا چاہئے، اگر کوئی مضبوط اہل حدیثیت کے بعض دعویدار اس بدعتی کے افکار کو پڑھنے کی دعوت دیں، ان کی تعریف کر کے لوگوں کی نگاہ میں عظمت ورفعت بڑھانے کی کوشش کریں تو پھر ایسی اہل حدیثیت سے تو اللہ ہی بچائے۔

سب سے پہلے یہ جان لیں کہ کس کی اہل حدیثیت اور سلفیت مضبوط ہے اور کس کہ کمزور یہ رب کے سوا کوئی نہیں جانتا، خود اپنا تزکیہ کرنا فرمان الہی کے مخالف ہے: لا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى.

دوسری بات: بعض اہل حدیث علماء اور طلبہ علم سر سید، مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار اور وحید الدین خان وغیرہ جیسے بعض اہل بدعت کے افکار کو پڑھنے کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں.

جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان پر خوف کھاتے ہوں، عمران بن حطان کی سلفیت صرف خارجی عورت سے شادی کی وجہ سے داؤ پر لگ جاتی ہو، ایوب السختیانی رحمہ اللہ بدعتی کے شبہات سے اپنی سلفیت پر خوف کھاتے ہوں اور اس کا سوال سننے کو بھی تیار نہ ہوتے ہوں، اور امام دار قطنی رحمہ اللہ کا صرف ایک بوسہ لوگوں کی سلفیت

---

(۱)[صحیح بخاری (حدیث نمبر:۵۲)]۔

(۲)[سیر أعلام النبلاء: (۲۶۱/۷)]۔

کیلئے قاتل بن جاتا ہو تو ایسے میں بعض اہل حدیث علماءوطبہ علم کا سرسید اور مولانا مودودی کی کتابوں کو پڑھنے کی ترغیب دینا کیا اہل حدیث عوام کی اہل حدیثیت کیلئے خطرناک نہیں؟

جو لوگ سرسید، مولانا مودودی اور جیسے منحرفین کو پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں ان سے ادبا سوال ہے کہ: جب لوگ سرسید اور مولانا مودودی وغیرہما کے افکار مسمومہ اور عقائد باطلہ کو ان کی کتابوں میں پڑھیں گے تو کیا آپ ہر آدمی کے پاس جاکر انہیں کہیں گے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ میں سرسید اور مولانا مودودی نے فلاں عقدی یا منہجی غلطی کی ہے اس لئے آپ لوگ ہوشیار رہیں؟

اور بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ آپ فردا فردا ہر شخص کو منع کریں گے تو کیا ضروری ہے کہ وہ آپ کے منع کرنے سے باز ہی آجائیں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انہیں سرسید اور مولانا مودودی کی باطل فکر آپ کی بات سے زیادہ اچھی لگے اور پھر وہ اسی میں بہہ جائیں؟

کیوں کہ لوگ تو یہ دیکھیں گے کہ سرسید اور مولانا مودودی کے مقابلے میں آپ تو کچھ بھی نہیں، اور آپ تو خود مولانا کی تعریف کرتے ہیں، آج اس کے من کے خلاف کوئی بات ہوئی تو سرسید اور مولانا مودودی جیسی بڑی اور برگزیدہ ہستی پر یہ انگشت نمائی کر رہا ہے!!!

اگر مدارس کے طلبہ کو اردو سیکھنے کی ترغیب ہی دینی ہے تو ثناء اللہ امرتسری، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا احسان الٰہی ظہیر، مولانا صلاح الدین یوسف رحمہم اللہ اور ان جیسے دیگر علمائے اہل حدیث کی کتابوں کو پڑھنے کی ترغیب دیں، زبان و بیان کے ساتھ عقائد و فکر کو بھی جلا ملے گی، سلفیت و اہل حدیثیت پختہ ہوگی، امور شریعت میں درک حاصل ہوگا، اور گمراہی سے دور بھی رہیں گے......!!!

حقیقی بات یہ ہے کہ جس کے پاس جو پونجی اور سرمایہ ہوتا ہے وہ وہی خرچ کرتا ہے اور لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، اگر آپ نے منحرفین کو پڑھ کر سرمایہ جمع کیا ہے تو لوگوں کے درمیان آپ وہی سرمایہ بانٹیں گے، اور اگر آپ نے اہل حدیث علمائے کرام کی کتابوں کو پڑھ کر سرمایہ جمع کیا ہے لوگوں کے درمیان وہیں تقسیم کریں گے۔

۳-کچھ لوگ کہتے ہیں: جب آپ ان پر رد کرتے ہیں تو صرف ان کی غلطیاں ذکر کرنے پر اکتفا کیوں کرتے ہیں؟ ان کی خوبیوں کا تذکرہ بھی کیا کیجئے، یہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے.....۔

کفار و مشرکین، یہود و نصاری اور منافقین پر اللہ رب العالمین نے متعدد مرتبہ رد کیا ہے، کہیں پر ان کی خوبیوں کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ مطلقا رد کیا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت اور اہل بدعت سے امت کو ڈرایا ہے، جب خوارج کا تذکرہ کیا تو ان کی ظاہری خوبیوں سے متاثر ہونے سے منع کیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش ظاہر کی اگر ایسی جماعت ان کی موجودگی میں پیدا ہوئی تو وہ انہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح قتل کر کے صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹادیں گے۔

جن پر رد کیا گیا یقیناً ان کے اندر کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور رہی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں: اللہ رب العالمین نے سورہ بقرۃ میں شراب کے بارے میں کہا: ﴿يَسألونَكَ عَنِ الخَمرِ وَالميسِرِ قُل فيهِما إِثمٌ كَبيرٌ وَمَنافِعُ لِلنّاسِ وَإِثمُهُما أَكبَرُ مِن نَفعِهِما﴾۔[(۱)]

لوگ آپ سے شراب اور جوا کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ انہیں بتادیں کہ شراب اور جوا میں ملوث ہونا کبیرہ گناہ ہے، تاہم اس میں لوگوں کیلئے کچھ فائدہ بھی ہے، لیکن اس کا گناہ اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔

اگر کوئی عالم شراب کی حرمت بیان کرے اور جوا اور قمار بازی کے نقصانات اور معاشرے پر اس کے برے اثرات سے لوگوں کو آگاہ کرے، اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرے تو کیا اس عالم کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ شراب اور جوا کے فائدے بھی لوگوں کو بتائے؟ یقیناً نہیں۔

بدعت تو امت مسلمہ کیلئے شراب وجوا اور دیگر معصیات سے زیادہ سنگین ہے، کیونکہ شراب وجوا کو تو سب حرام اور گناہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن بدعت کتاب وسنت کی دلیل سے مزین ہوتی ہے، دین کے نام پر پروسی جاتی ہے، اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر لوگوں کو سکھائی جاتی ہے اور لوگ اسے دین کا حصہ سمجھنے لگتے ہیں، پھر بدعت کی اور اہل بدعت کی قباحت بیان کرتے وقت ان کی خوبیوں کو بیان کرنا جیسے جائز ہوگا؟

بدعت کی سنگینی اور اس کی خطرناکی کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو خطبہ میں بدعت سے دور رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے...

---

(۱)[البقرۃ:۲۱۹]۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کہا کہ یہ بدعتی ہماری امت کے ہی افراد ہوں گے، جب ان کی بدعت گمراہی پر رد کرنا تو ان کی خوبیوں کا بھی تذکرہ کرنا، ان کی اچھائیوں کو بیان بھی کرنا، وغیرہ وغیرہ... بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے طور پر فرماتے: «وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة». سب سے بدترین امر دین کے نام پر نئی نئی بدعتوں کو ایجاد کرنا ہے، جب کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔[۱]

خوارج جیسے اہل بدعت کا تذکرہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو ان کی خوبیوں اور محاسن کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا اور ان بدعتیوں کو قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح قتل کرتا..۔[۲]

خلاصہ کلام یہ کہ بدعت اہل بدعت پر رد کرتے وقت ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا بالکل بھی درست نہیں، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف صالحین نے ایسا نہیں کیا ہے۔

۴- کچھ لوگ کہتے ہیں: جس قسم کی غلطی مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار، وحید الدین خان اور ان جیسی شخصیات سے سرزد ہوئی ہیں اگر وہی غلطی اہل حدیثوں سے سرزد ہو جائے تو آپ کا رویہ یکساں نہیں ہوتا، آپ اپنوں پر اس طرح رد نہیں کرتے جس طرح دوسروں پر رد کرتے ہیں، بلکہ انہیں قابل استفادہ بھی سمجھتے ہیں، کیا یہاں عدل وانصاف کا خون نہیں ہوتا؟

سب سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ: ایک شخص سلفی ہے، اس کے اصول فروع تمام سلفیت والے ہیں، سلفیت کی نشرو اشاعت اور اس کے دفاع میں اپنی زبان وبیان اور لوح وقلم کا استعمال کرتا ہے، اگر ایسے شخص سے کسی مسئلے میں چوک ہو جاتی ہے، کسی بدعت کا ارتکاب یا بدعتی کی تائید ہو جاتی ہے تو ان کی اس بدعت یا بدعتی کی تائید پر رد کرنے کے ساتھ ان سے استفادہ کیا جائے گا....۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بڑے بڑے اہل علم جن کے اقوال وافعال بیشتر اوقات حق وصواب پر مبنی ہوں، جو ہمہ دم حق کی جستجو میں رہیں، علم اور ذہانت وفطانت کا بحر بیکراں ہوں، زہد وورع اور صلاح وتقوی میں معروف ہوں، متبع سنت

(۱)[صحیح مسلم (۵۹۲/۲)]۔

(۲)[صحیح بخاری (۱۳۷/۴)، صحیح مسلم (۷۴۱/۲)]۔

ہوں، اگر ایسے اہل علم سے غلطیاں سرزد ہو جائیں تو ہم ان کی تضلیل نہیں کرتے، اور نہ ہی گمراہ کہتے ہیں، ہاں ہم ان کی غلطیوں اور بدعات میں ان کی اقتدا نہیں کرتے، تاہم ہم ان کیلئے رب سے توبہ کی امید رکھتے ہیں۔ (۱)

اسی طرح اگر کوئی چند مسائل میں غلطی کرے تو اسے ایسے شخص سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی جس نے اپنے عقائد و مناہج کیلئے خود ساختہ اصول وضوابط وضع کرلے، اپنی جماعت اور متبعین تیار کرلے، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، چنانچہ ایک ایسا بدعتی جو بدعت کا ارتکاب تو کرتا ہے لیکن بدعت کی دعوت نہیں دیتا علمائے کرام اس کی روایت قبول کرتے ہیں لیکن جو بدعتی ہو اور بدعت و گمراہی کا داعی ہو علما اس کی روایت قبول نہیں کرتے، امام احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: آپ نے ابو قطن قدری سے روایت لی ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ بدعت کا داعی نہیں ہے، اگر وہ بدعت کا داعی ہوتا تو میں اس سے روایت نہیں لیتا۔ (۲)

نیز تمام بدعتیں ایک ہے درجہ میں نہیں ہیں کہ ان پر ایک ہی حکم نہیں لگے گا، چنانچہ خلق قرآن کے قائلین اور مرجئۃ الفقہاء کا ایک ہی حکم نہیں ہوگا، ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ بدعتیں ایسی ہیں جن کے مرتکبین کی روایتیں مطلقا رد کردی جائیں گی، جیسے جہمیہ کی بدعتیں، اور کچھ بدعتیں ایسی ہیں جن کی طرف دعوت دینے والوں کی روایتیں رد کی جائیں گی، جیسے قدریہ کی بدعتیں۔ (۳)

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی واجب کی ادائیگی کسی بدعتی کا ساتھ دینے یا اس کا ساتھ پر ہی ممکن ہوسکتی ہے، جیسے: شہر بصرہ میں قدریہ بکثرت موجود تھے اور ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی تھیں جو دیگر لوگوں کے پاس نہیں تھیں، یہاں سنت کی حفاظت واجب تھی، اور اس واجب کی تکمیل قدریہ سے حدیث لئے بنا ممکن نہیں تھی، اس لئے یہاں اخف الضررین کے قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے قدریہ سے روایت قبول کی گئی، لیکن ساتھ میں داعی اور غیر داعی کی شرط بھی رکھی گئی، اگر قدریہ سے روایتیں نہیں لی جاتیں تو جو حدیثیں ان کے پاس محفوظ تھیں ان کی حفاظت ممکن نہیں ہوپاتی۔ (۴)

---

(۱)[سیر اعلام النبلاء (۲۷۱/۵)]۔

(۲)[الکفایۃ فی علم الروایۃ (ص: ۱۲۷)]۔

(۳)[شرح علل الترمذی (۳۵۸/۱)]۔

(۴)[مجموع الفتاوی (۲۱۲/۲۸) بتصرف]۔

قارئین کرام: بغرض مصلحت ان سے روایتیں لی گئیں لیکن روایت لینے کے نام پر اس وقت کے علمائے کرام نے اہل سنت کی عوام کو قدریوں کی مجلس میں حاضر ہونے، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب نہیں دی، نہ ہی قدریہ سے دیگر باب میں استفادہ کیا، لہذا کسی عالم کے عمل سے استدلال کرنے سے قبل ان امور کو دیکھنا ضروری ہے، ورنہ کہیں کی بات کہیں آرام سے بلا کسی مشقت فٹ کی جا سکتی ہے...۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی ملک، شہر یا جگہ میں اہل بدعت کی بکثرت موجود ہوتے، ان کی اعلانیہ مخالفت یا ان سے کھل کر بغض وعداوت اہل سنت کے کمزور افراد کے نقصان کا باعث ہوتی ہے، ایسی جگہوں پر مدارات سے کام لیا جاتا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خراسان میں اہل سنت جہمیہ کے مقابلہ میں نہایت کمزور تھے، ان سے عداوت کا اظہار کھل کر نہیں کر سکتے تھے، اس لئے امام احمد رحمہ اللہ نے انہیں مدارات کا حکم دیا، اور کھل کر عداوت کرنے سے گریز کرنے کو کہا، تا کہ کمزور اہل سنت جہمیہ کی اذیت سے محفوظ رہ سکیں۔ (١)

اگر اہل علم و فن اور حق کے طلبگار نیز اس کی حفاظت و دفاع کرنے والوں سے کچھ غلطیاں سرزد ہو جائیں تو ان غلطیوں پر رد کرنے کے ساتھ ان سے استفادہ کیا جائے گا، کیونکہ ہمہ دم ان کا مقصد فہم سلف کے مطابق کتاب و سنت کی نشر و اشاعت، سنت رسول اور صحابہ کرام کا دفاع ہوتا ہے، وہ اپنے اقوال اور رائے کی بنیاد کتاب و سنت اور فہم سلف پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر ایسے لوگوں سے چوک ہو جائے تو اس چوک پر رد کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے استفادہ بھی کیا جائے گا۔

کچھ لوگ ان اہل علم پر مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار، وحید الدین خان اور ان جیسے لوگوں کو قیاس کرتے ہیں، جبکہ یہ لوگ اہل علم کی صف میں شمار بھی نہیں ہوتے، نیز یہ لوگ بدعت کے دعاۃ میں سے تھے، اعتزال، رافضیت، خارجیت، صوفیت، بعض صحابہ کرام سے عداوت، نیز اہل حدیث اور سلفیوں سے عداوت ایک ساتھ مولانا مودودی اور ان جیسے لوگوں میں جمع تھیں، ہوا پرستی اور خواہش نفسانی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے کئی مسائل میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہی ڈھاک کے تین پات، پندار ہمہ دانی اس قدر تھی کہ ہم چنیں دیگرے نیست کی تعبیر نظر آتے تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مجتہد عالم اور ہوا پرست میں فرق یہ ہوتا ہے کہ: عالم کسی کام کو حسن نیت کے ساتھ اپنے اجتہاد سے انجام دیتا ہے.... جب کہ اہل ہواء اور بدعتی باتیں ظن و تخرص کی بنیاد پر کرتے ہیں، اور اسے اس یقین سے کہتے اور کرتے ہیں گویا وہی حق ہو اور

---

(١)[مجموع الفتاوى (٢١٢/٢٨) بتصرف یسیر]۔

دوسرا قول بالکل باطل ہو، اہل بدعت کی رائے اجتہاد اور حسن قصد پر مبنی نہیں ہوتی (کیوں کہ وہ تو اہل اجتہاد میں سے ہوتے ہی نہیں) ایسے لوگ ظالم ہوتے ہیں اور مغضوب علیہم (یہودیوں) سے مشابہت رکھتے ہیں، یا جاہل ہوتے ہیں اور ولا الضالین (نصاری) سے مشابہت رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مجتہد عالم جب خالص اجتہاد کرتا ہے تو اس کا مقصد حق کی جستجو کے سوا کچھ نہیں ہوتا، جب کہ ہوا پرست اور بدعتی حق کو جانتے ہوئے بھی حق کا انکار کرتا ہے اور اس سے عناد رکھتا ہے۔[۱]

مولانا مودودی اور وحید الدین خان نہ عالم تھے اور نہ ہی مجتہد تھے، بلکہ دور حاضر میں بدعت وگمراہی کے امام تھے!

اس کے باوجود ان دونوں گمراہ شخص کے مسموم افکار کی نشر واشاعت کیلئے انہیں ائمہ مجتہدین پر قیاس کرنے، اور اس کی آڑ میں ان دونوں صاحبان کا دفاع کرنے پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بدعت قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے، عقل اور زبان وبیان سے کرتے ہیں، وہ لوگ کتاب وسنت پر اعتماد نہیں کرتے، اور نہ ہی آثار صحابہ وتابعین کو وہ خاطر میں لاتے ہیں اور نہ ہی سلف صالحین کے اجماع کی ان کو پرواہ رہتی ہے، اسی طرح یہ لوگ تفسیر بالماثور پر بھی اعتماد نہیں کرتے، یہ لوگ زبان وادب اور فصاحت و بلاغت کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں، اور یہ ملحدین کا طریقہ کار ہے۔۔۔[۲]

ایسا لگتا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار اور مولانا وحید الدین خان جیسے لوگوں کے افکار پر ہی رد کیا ہے، کیونکہ مذکورہ بالا افراد قرآن مجید کی اور دین کی تفسیر وتشریح اسی طرح کی ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، اور یہ معتزلہ وروافض اور مرجئہ کا طریقہ رہا ہے، اور اسی نہج پر مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار، وحید الدین خان اور ان جیسے لوگ چلتے آرہے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا مودودی اور وحید الدین خان وغیرہما کو امام ابن خزیمہ، امام حاکم، امام نووی، امام سیوطی اور ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں، کیوں کہ ائمہ رحمہم اللہ وغیرہم نے علم حدیث کی جتنی خدمت کی ہے اس

---

(۱)[القاعدۃ النورانیۃ: (ص: ۱۸۷) بتصرف]۔

(۲)[الایمان لابن تیمیہ رحمہ اللہ: (ص: ۹۹)]۔

سے کہیں زیادہ آج کے زمانے میں ان دونوں صاحبان نے سنت کے تعلق سے لوگوں کو بدظن کیا ہے، اور اس کے تئیں تشکیک پیدا کی ہے۔

ایسے اشخاص کی تالیفات کے سلسلے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے حق لے لو اور جو باطل ہے اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ ان کے یہاں جو کچھ بظاہر حق نظر بھی آتا ہے اس پر باطل کا گرہن لگا ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں ملاوٹ کے ساتھ جو حق موجود ہے وہی حق خالص صورت میں صحیح العقیدہ علماء کے پاس بدرجہ اکمل واتم موجود ہے، ہمیں ان کے یہاں سے زہر آلودہ حق لینے کے بجائے صاف وشفاف حق سلفی علماء کے پاس سے لینا چاہئے، نہ کہ اہل حدیث کے پلیٹ فارم سے ان کے افکار و نظریات کی ترویج واشاعت کرنی چاہیے۔

لیکن معاملہ ایں جا رسید کہ جب ان اہل بدعت ہر رد کیا جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں ان کی غلطیاں نکالنے کے بجائے اپنی غلطیوں کی اصلاح کرو، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بعض اہل علم جب اہل باطل کے عقائد و نظریات پر رد کرتے ہیں تو انہیں کہا جاتا ہے کہ: اپنے عیوب کی اصلاح کرو، دوسروں کی غلطیوں اور عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔

ہم ایسے لوگوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ: ہر قسم کی بدعتیں خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا قول و عمل سے ان پر رد کرنا واجب اور حق ہے، ان پر رد کرنے سے گریز کرنا معیوب ہے، اور ہمارے اندر سب سے بڑا عیب یہی ہوگا کہ ہم باطل پر رد کرنا چھوڑ دیں، کیونکہ باطل پر رد واجب ہے۔[1]

۵-کچھ لوگ کہتے ہیں: جس منہج پر آپ چل رہے ہیں یہ منہج تو برصغیر کے علمائے اہل حدیث کا نہیں تھا؟؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: ہم بعینہ اس منہج پر چل رہے ہیں جس پر برصغیر کے علمائے اہل حدیث قائم تھے، اور ان سے ہی ہم نے یہ پختہ اور صالح منہج سیکھا ہے، اہل حدیثوں کا کیا منہج ہے؟ کہاں سے ماخوذ ہے؟ اس کا جواب مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: .. اہل حدیث نے کتاب وسنت کے فہم میں کسی فرد کی امامت کے بجائے ائمہ سلف اور صحابہ کرام کو اپنا امام تصور کیا ہے، اور فروع وعقاید اور تصوف وزہد میں ان بزرگوں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور نہ شخصی آراء وافکار کو ائمہ سلف اور صحابہ کرام کا بدل سمجھا.."

---

(۱)[فتح ذی الجلال والإکرام: (۱۵/۳۳۲)]۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اہل حدیث کا مقصد یہ تھا کہ اجتہادی امور میں تقلید اور جمود کو دین میں پنپنے نہ دیا جائے، بلکہ صحابہ اور ائمہ اسلام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھایا جائے اور فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ ہونے پائے، اصل نظر کتاب اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مرکوز رہے۔

کتاب و سنت میں اگر کسی مسئلہ یا وقتی حادثہ کے متعلق صراحت موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ محض کسی شخصی رائے کے مطابق نہ ہو، یا کسی علاقے کے علما اپنے مخصوص افکار امت پر نہ ٹھونس دیں، بلکہ اصل مطمح نظر صحابہ اور اسلاف کرام کی وسعت نظر ہو، جمود اور شخصیت پروری سے امت میں ضیق نہ پیدا کیا جائے"۔

ایک جگہ سنن دارمی کے مقدمہ سے تین ابواب کا نام نقل کرتے ہیں: "اہل بدعت وضلالت سے دوری اختیار کرنے کا باب"، "اہل بدعت سے دوری اختیار کرنے، اور علم و علماء کی فضیلت کا باب"، "غیر اللہ کیلئے علم حاصل کرنے والوں پر سرزنش کا باب"، ان تینوں ابواب کو نقل کرنے بعد مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان تمام ابواب اور سلف اہل علم کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے بعد ائمہ سلف کے طریق کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں، شخصی آراء و افکار اور تقلید جامد سے اذہان کو ہر قیمت پر آزاد رکھنا چاہتے ہیں، لیکن اہل بدعت کی سی ذہنی آوارگی کسی قیمت پر بھی پسند نہیں کرتے"۔

مذکورہ بالا تمام اقوال مولانا سلفی رحمہ اللہ کی کتاب "تحریک آزادی فکر" سے ماخوذ ہیں۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا اقوال سلف صالحین کے منہج کی اتباع اور اس سے تمسک پر دلالت کرتے ہیں، اور ان اقوال سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برصغیر کی اہل حدیثیت اور سلفیت سلف صالحین کی سلفیت کا ہی امتداد ہے۔

برصغیر کے سلفی علمائے کرام رحمہم اللہ نے اسی سلفیت اور اہل حدیثیت اور منہج کی دعوت دی ہے جس پر قرون اولی کے علما قائم تھے۔

اہل بدعت کے تئیں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے اس تعلق سے نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

علامہ صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"سنت یہی ہے کہ روافض، خوارج، جہمیہ، قدریہ، مرجئہ، کرامیہ اور معتزلہ جیسے بدعتیوں اور گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر ان سے دوری اختیار کی جائے، ان سے بحث و مناظرہ سے پرہیز کیا جائے، نہ ان کی کتابوں کو پڑھا جائے اور نہ ہی ان کی باتوں کو سنا جائے...۔(۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں: بدعت و گمراہی کے دعاۃ سے دوری اختیار کرنا اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔(۲)

اب جس جماعت میں اور اس کے قائدین میں مذکورہ تمام گمراہ فرقوں کی بدعتیں جمع ہوں، بلکہ مزید نت نئی بدعتیں اور گمراہیاں موجود ہوں ان کے بارے میں نواب صاحب رحمہ اللہ کی کیا رائے ہوتی؟

علامہ صدیق حسن خان رحمہ اللہ سورہ انعام کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کیلئے بہت ہی عظیم نصیحت ہے جو ان بدعتیوں کی ہم نشینی اختیار کرنے میں تساہل برتتے ہیں جو اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں، کتاب و سنت سے کھلواڑ کرتے ہیں، اس کے معانی و مطالب کو اپنی گمراہ کن خواہشات، فاسد تقلید اور بے کار بدعت کے مطابق بیان کرتے ہیں، چنانچہ ان اہل بدعت کی ہم نشینی اختیار کرنے میں تساہل برتنے والا اگر ان کی بدعتوں پر رد نہیں کرتا تو کم از کم ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے، ان اہل بدعت کی مجلس سے دوری اختیار کرنا اس کیلئے زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔

اور اگر اہل سنت ان بدعتیوں کی مجلس میں بلا کسی شرعی سبب کے شریک ہوں گے تو ممکن ہے کہ بدعتی حضرات ان کے شریک ہونے کو اپنے فائدے کیلئے استعمال کریں، اور عوام کو شبہ میں ڈالیں کہ (دیکھو اگر ہم اچھے نہیں ہوتے تو فلاں فلاں اہل سنت کے علماو فضلاء ہماری مجلس میں شریک نہیں ہوتے) ایسی صورت میں ان کی مجلس میں شریک ہونا ان کی باتوں کو سننے سے زیادہ فساد کا باعث ہو سکتا ہے!!!

ہم نے اس قسم کی لعنت والی بے شمار مجلسیں دیکھی ہیں، لیکن ہم نے حق کی نصرت و تائید اور باطل کے رد میں اپنی پوری کوشش جھونک دی اور کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

جسے شریعت مطہرہ کی معرفت ہے وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ جتنی خرابی اور بگاڑ اہل بدعت اور گمراہ کن افکار و نظریات کے حاملین کی ہم نشینی اختیار کرنے اور ان کی مجلس میں شریک ہونے میں ہے اتنی خرابی تو گناہ اور حرام کا ارتکاب

---

(۱)[قطف الثمر (ص:۱۴۴)]۔

(۲)[قطف الثمر (ص:۱۴۰)]۔

کرنے والوں کی مجلس میں شریک ہونے میں بھی نہیں، بالخصوص وہ لوگ جنہیں کتاب وسنت کا علم نہ ہو، اور نہ ہی ان علوم میں درک حاصل ہو ان کیلئے اہل بدعت کی مجلس میں شریک ہونا یا ان کی ہم نشینی اختیار کرنا تو اور زیادہ خطرناک اور فساد و بگاڑ کا باعث ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بدعتی اپنے جھوٹ، بدعات و خرافات اور ضلالت و گمراہی کو اس کے سامنے اس انداز میں پیش کرے کہ اس شخص کو وہ چیز اچھی لگے اور اس کے دل میں اس طور پر گھر کر جائے کہ اس کا علاج بہت ہی مشکل ہو جائے، اور پھر وہ زندگی بھر اس بدعت کو حق سمجھ کر عمل کرتا رہے اور اسی حال میں اس کی موت بھی ہو جائے، حالانکہ وہ عمل بالکل باطل اور منکر تھا۔[1]

سطور بالا میں اہل بدعت کی مجلس میں شرکت کے متعلق میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قیمتی کلام گذر چکا ہے۔

اہل حدیث علمائے کرام کے مذکورہ بالا کرام پر مطلع ہونے کے باوجود ہم پر یہ الزام لگانا مناسب ہوگا کہ ہم برصغیر کے علمائے اہل حدیث کے منہج پر نہیں ہیں؟

یہاں ایک بات سمجھنا از حد ضروری ہے کہ جن علمائے کرام نے شرعی علوم وفنون میں سے کسی فن کی خدمت کی ہو اور اس میں مہارت رکھتے ہوں، لیکن عقیدے کے بعض مسائل میں ان سے لغزش ہوئی ہو، جیسے امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ۔

سیوطی رحمہ اللہ علوم حدیث کے ماہرین میں سے ہیں، اور انہوں نے باضابطہ اس فن کی خدمت کی ہے، اسی طرح سے وہ تمام علماء جنہوں نے علوم شرعیہ کی خدمت کی ہو لیکن عقیدے کے بعض مسائل میں ان سے خطاء ہوئی ہو ان سے مذکورہ شروط وضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف اسی فن میں ان کی کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے جس میں وہ مہارت رکھتے ہوں۔

البتہ جو کسی فن کا ماہر نہ ہو، بلکہ اسلام میں انہوں نے فتنے برپا کئے ہوں تو ان کی کتابوں سے بالکلیہ استفادہ نہیں کر سکتے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ اہل علم میں سے کوئی بھی ذوالخویصرۃ التمیمی، عبد اللہ بن سبا، معبد الجہنی، واصل بن عطاء، عمرو بن عبید، بشر المریسی، ابو منصور ماتریدی، ابن عربی وغیرہم کی کتابوں سے یا ان کے کلام سے استفادہ نہیں کرتے، اور نہ ہی ان سے کچھ نقل نہیں کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر فرقہ ضالہ وباطلہ کے بانی تھے، فصاحت و بلاغت اور علم کلام کے ماہر

(۱)[فتح البیان فی مقاصد القرآن: (۱۶۵/۴)]۔

تھے، دین اسلام کے نام پر ہی اپنے مقالات وتالیفات نشر کرتے تھے اور کتاب وسنت کا دم بھرتے تھے، لیکن اہل علم نے ان کی طرف التفات ہی نہیں کیا۔

اسی طرح آج کے زمانے میں بھی بعض حضرات نے اسلام کے نام اپنے مسمومہ افکار ونظریات کو اسلام کا جامہ پہنایا، اور کتاب وسنت کی خدمت کے نام پر ان کی نشر واشاعت کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انکار سنت کا شجر زقوم پھلدار ہونے لگا، خوارج ومعتزلہ اور اشاعرہ وصوفیہ کے عقائد کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، تکفیر کا بازار پھر سے گرم ہوا، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وثقاہت کو مشکوک ہوتی نظر آنے لگی۔

ایسے لوگوں کو امام نووی، سیوطی، ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہم پر قیاس کرنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں، کیوں کہ جس طرح امام نووی، ابن حجر اور سیوطی رحمہم اللہ وغیرہ نے علم حدیث کی خدمت کی ہے اس سے کہیں زیادہ آج کے زمانے کے علم کے دعویداروں نے سنت کے تعلق سے لوگوں کو بدظن کیا ہے، اور تشکیک پیدا کی ہے۔

ایسے اشخاص کی تالیفات کے سلسلے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے حق لے لو اور جو باطل ہے اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ ان کے یہاں جو کچھ بظاہر حق نظر بھی آتا ہے اس پر باطل کا گرہن لگا ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں ملاوٹ کے ساتھ جو حق موجود ہے وہی حق خالص صورت میں صحیح العقیدہ علماء کے پاس بدرجہ اکمل واتم موجود ہے، تو پھر ہمیں ان کے یہاں سے زہر آلودہ حق لینے کے بجائے صاف وشفاف حق سلفی علماء کے پاس سے لینا چاہئے۔

اس لئے مذکورہ اشخاص کے شبہات وتلبیسات سے مسلمانوں کے عقیدہ، افکار اور منہج کی حفاظت کی خاطر ان کی کتابوں سے بالکلیہ تحذیر کرنا، اور ان سے دور رہنے کی تلقین کرنا نہایت ضروری ہے۔

اخیر میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کی نصیحت کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں، امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا: «اتقوا الله معشر المسلمين، واقبلوا نصح الناصحين، وعظة الواعظين، واعلموا أن هذا العلم دين فانظروا ما تصنعون وعمن تأخذون وبمن تقتدون ومن على دينكم تأمنون؛ فإن أهل البدع كلهم مبطلون أفّاكون آثمون لا يرعوون ولا ينظرون ولا يتقون. إلى أن قال: فكونوا لهم حذرين متهمين رافضين مجانبين، فإن علماءكم الأولين ومن صلح من المتأخرين كذلك كانوا يفعلون و يأمرون».[۱]

---

(۱)[تاریخ دمشق (۳۶۲/۶)]۔

اے مسلمانوں اللہ رب العالمین کا تقوی اختیار کرو، وعظ نصیحت کرنے والے کے پند ونصائح قبول کرو، علم حاصل کرنا دراصل دین ہے، تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو، کس کی اقتدا کر رہے اور کسے دین کا امین سمجھ رہے ہو یہ سب اچھی طرح دیکھ لو اور سمجھ لو، کیونکہ تمام بدعتی جھوٹے، مکار اور باطل پرست ہوتے ہیں، وہ اللہ سے نہیں ڈرتے، اس لئے ان سے بچ کر رہو، ان سے دوری اختیار کرو، ان کی باتوں کو قبول نہ کرو، تمہارے متقدمین ومتاخرین علماء کا یہی منہج تھا، اور وہ انہی باتوں کا حکم دیتے تھے۔

محمد ضیاء الحق تیمی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

امام لالکائی رحمہ اللہ سے متعلق ڈاکٹر حافظ زبیر کے بعض مغالطات کا جواب

چند دن پہلے ڈاکٹر حافظ زبیر نے امام لالکائی -رحمہ اللہ- متوفی (۴۱۸)ھ اور ان کی عظیم تالیف "شرح أصول اعتقاد اہل السنۃ" کو ہدفِ تنقید بنایا اور ان پر چند سنگین الزامات عائد کیے، ذیل کی تحریر میں ان کے ان ہی الزامات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جارہی ہے۔بعون اللہ الملک الوہاب:

ڈاکٹر حافظ زبیر فرماتے ہیں:

(بریلوی حضرات نے پوری تحقیق کی کہ بندہ (امام لالکائی) ہمارا اپنا ہے کہ بدعتیوں، کہ جنہیں اعلی حضرت رحمہ اللہ بد مذہب بھی کہتے ہیں، اور وہ ان کے نزدیک وہابی، دیوبندی، اہل حدیث اور شیعہ وغیرہ ہیں، کا ٹکا کر رد بھی ہو جائے گا اور ساتھ میں صوفیت بھی باقی رہے گی۔۔۔ آپ کتاب (شرح أصول اعتقاد اہل السنۃ) کا مقدمہ بھی دیکھ لیں کہ محقق کی رائے بھی سامنے آجائے۔ اور خود بھی کتاب پڑھ لیں۔ کتاب میں علامہ لالکائی جنہیں اہل بدعت اور اہل ھوا یعنی خواہش پرست اور نفس پرست قرار دیتے ہیں، وہ شیعہ، معتزلہ، جہمیہ، مرجئۃ اور قدریہ وغیرہ ہیں جبکہ اہل تصوف اور حضرات صوفیاء کے کبار اساطین کی تعریف میں وہ نہ صرف رطب اللسان ہیں بلکہ انہیں رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہوئے ان کی کرامتیں بھی نقل کرتے ہیں۔ اور یہ کرامتیں ویسی ہی ہیں جو آپ کو فضائل اعمال، فضائل صدقات اور فیضان سنت وغیرہ جیسی کتب میں مل جاتی ہیں کہ جنہیں اہل حدیث حضرات بابوں کی کہانیاں یا قصوں کہانیوں والا دین کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔۔۔ ان میں معروف الکرخی، مالک بن دینار، ابراہیم بن ادہم البلخی، بشر الحافی، الحارث المحاسبی رابعہ العدویہ اور بیسیوں دیگر صوفیاء حضرات بھی شامل ہیں۔)

اس سے دو اہم مغالطے پیدا ہوتے ہیں:

(۱) پہلا مغالطہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل حدیث کرامتِ اولیاء کے بالکلیہ منکر ہیں۔

یہ در اصل صاحبِ تحریر کی اہل سنت وجماعت کے عقائد سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اہل سنت وجماعت کراماتِ اولیاء کے منکر نہیں ہیں، بلکہ وہ اس باب میں معتزلہ اور صوفیوں کے درمیانی راہ پر ہیں، نہ ہی وہ معتزلہ کی طرح کرامات کا بالکلیہ انکار کرتے ہیں اور نہ ہی صوفیوں کی طرح کرامات کے اثبات میں غلو کرتے ہیں، بلکہ ان کے یہاں شرعی ضوابط ہیں جن کو سامنے رکھ کر ہی کسی کرامت کا وہ اثبات یا نفی کرتے ہیں۔

چنانچہ ان کے نزدیک ولیوں کو جو کرامات حاصل ہوتی ہیں وہ ان کے ایمان اور تقوی کے سبب ہوتی ہیں۔ اگر کوئی انسان ایمان وتقوی کے منافی امور انجام دیتا ہو، مشرک وبدعتی ہو، غیر اللہ سے دعائیں کرتا ہو، اس سے مدد مانگتا ہو، اس کے نام پر جانور ذبح کرتا ہو، فواحش ومنکرات کا عادی ہو، شرعی حدود کو پامال کرتا ہو، محرمات کا ارتکاب کرتا ہو، فرائض وواجبات کا التزام نہیں کرتا ہو، صفائی وستھرائی کا خیال نہیں رکھتا ہو بلکہ غلاظتوں اور نجاستوں میں رہتا ہو، منشیات اور نشہ آور اشیاء کا رسیا ہو، جنگلوں، جھاڑیوں اور شیطان کے ٹھکانوں میں رات گزارتا ہو تو ایسا شخص ان کے نزدیک رب کی کرامات کا مستحق نہیں ہوتا ہے بلکہ اس پر رب کی لعنتیں برستی ہیں اور وہ اس کے غیظ وغضب کا شکار ہوتا ہے۔

پھر ان کے نزدیک کرامات کے ظہور کا اختیار بندوں کے پاس نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کا کامل تصرف رب العالمین کے پاس ہوتا ہے وہ جب اور جس بندے کو چاہے ان سے نوازے، یہ محض اللہ کا خصوصی فضل واحسان ہوتا ہے کہ کبھی وہ اپنے مومن اور نیک بندوں کی مصیبت وتکلیف کو فورا دور فرماتا ہے، کبھی انہیں غیر متوقع نعمتیں عطا کرتا ہے، کبھی طاقتور دشمنوں پر انہیں غلبہ عطا کرتا ہے، کبھی ان کی فریادوں کو بالفور شرف قبولیت بخشتا ہے۔

اسی طرح ان کے نزدیک ولایت کے لئے کرامات کا ظہور کوئی لازمی شئ نہیں ہے۔ اور نا ہی کسی کی افضلیت کی دلیل ہے۔ بسا اوقات ناگزیر حالات اور بندے کے الحاح اور گریہ وزاری، یا باطل کی طاقت وقوت کے سامنے حق کے غلبہ کے لئے ان کا ظہور ہوتا ہے۔ بسا اوقات بندہ ایمان ویقین اور صبر وتوکل کے اس عظیم مقام پر فائز ہوتا ہے کہ وہ شدید ترین حالات میں بھی وہ کسی کرامت کا محتاج نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام میں کرامات کا ظہور تابعین کے مقابلے کم ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔

پھر ہر خرق عادت امر کا ظہور کرامت نہیں ہے، کیونکہ اس معاملہ میں اہل ایمان، فساق وفجار، شعبدہ باز، جادوگر سب برابر ہیں، بلکہ کلیساؤں، گرجاگھروں اور مندروں میں رہنے والے پادریوں اور پنڈتوں کے ہاتھوں بھی خرق عادت امور انجام

پاتے ہیں، لہذا خرق عادت امر کا پایا جانا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتی ہے کہ یہ رب کی کرامت ہے، کیونکہ شیطان بھی اپنے دوستوں کی مدد طرح طرح سے کرتا ہے، کبھی وہ انواع و اقسام کے کھانے پہنچاتا ہے، کبھی وہ اپنے دوستوں کو لے کر ہواؤں میں اڑتا ہے، پانی میں چلتا ہے، گمشدہ چیزوں کی خبر دیتا ہے اور قبروں میں انسانوں کے بھیس میں آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لہذا اس کی تعیین صرف بندہ کے اعمال سے ہوتی ہے کہ اس کے ہاتھ ظہور پانے والا خرقِ عادت امر کرامت ہے یا شیطانی کیفیت۔ بندہ اگر مومن ہے، متقی و پرہیز گار ہے، اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار ہے، توحید اور اس کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، سنتِ رسول کا پابند ہے، بدعات و خرافات سے دور رہتا ہے، واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہے، سنن ونوافل اور مستحبات کا التزام کرتا ہے، محرمات ومعاصی سے اجتناب کرتا ہے، تلاوت قرآن، مسنون ذکر واذکار وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرتا ہے اور پھر وہ خرق عادت امر کے حصول کو کبر و نخوت، فسق و فجور، ظلم وطغیان، اور شرک وبدعات کے لئے استعمال نہیں کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ رب کی کرامت ہے، اور اگر اس کے برعکس بندہ شیطان کا مطیع ہے، دینی تعلیمات کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے، اور خود اپنی نسبت مکاشفات اور خرق عادت امور کی طرف کرتا ہے تو ایسا انسان لازمی طور پر مکار اور جھوٹا ہوتا ہے اور شیطان بھی اس سے جھوٹ بول کر اسے گمراہ کرتا ہے، اور لازمی طور پر اس سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جن میں گناہ، اور فسق وفجور پائے جاتے ہیں جیسے شرک، ظلم، یا فواحش، یا غلو یا عبادت میں بدعت وغیرہ، در اصل ایسے انسان پر شیاطین نازل ہوتے ہیں، اس سے گھل مل جاتے ہیں اس طرح وہ شیطان کا دوست وساتھی بن جاتا ہے، اس لئے اس کے ہاتھوں ظہور پانے والے خرق عادت امور لازمی طور پر شیطانی احوال ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ".(۱)

”کہو کہ میرے رب نے تمام ظاہر و پوشیدہ بے حیائیوں کو، اور گناہ اور ناحق سرکشی کو حرام کر دیا ہے، اور یہ بھی حرام کر دیا ہے کہ تم لوگ اللہ کا شریک ایسی چیزوں کو ٹھہراؤ جن کی عبادت کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ہے، اور یہ بھی کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرو جن کا تمہیں علم نہیں ہے“۔

---

(۱)[الأعراف:۳۳]۔

پس اللہ پر بلا علم بات، شرک، ظلم، سرکشی اور بے حیائیوں اور بدکاریوں کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے چانچہ ان امور سے نا ہی اللہ کی کرامت حاصل ہو سکتی ہے اور نا ہی کرامتوں کے ذریعہ ان محرمات کے ارتکاب پر تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ان کا اعتقاد ہے کہ جس کے ہاتھ میں کرامت کا ظہور ہو وہ معصوم نہیں ہوتا ہے، اس لئے نا ہی اس کی تقلید جائز ہے اور نا ہی اس کی کوئی بات کتاب و سنت پر پیش کیے بغیر قبول کرنا درست ہے۔

پھر کوئی کرامت ایسی نہیں ہو سکتی ہے جس میں شریعت کی مخالفت ہو۔ کیونکہ شریعت کی مخالفت خود اہانت اور ذلت و رسوائی ہے، پھر اس اہانت و ذلت سے رب کی کرامت بھلا کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

اہل سنت و جماعت کے یہاں اور صوفیوں کے یہاں کرامت کے باب میں وہی فرق ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے، اہل سنت کرامت اور شیطانی چال میں فرق کرتے ہیں اور وہ کسی بھی کرامت کو قبول کرنے سے پہلے اسے شریعت کی کسوٹی پر تولتے ہیں، جبکہ صوفیوں کے یہاں کرامتِ اولیاء اور شیطانی چال میں فرق نہیں پائیں گے، اسی طرح صوفیوں کا اولیا کے تعلق سے انتہائی گمراہ کن عقائد ہیں چناچہ بعض صوفیا ولی کو نبی پر فضیلت دیتے ہیں، بعض ولی کو اللہ کی صفات کا مساوی قرار دیتے ہیں، چنانچہ ولی ان کے نزدیک پیدا کرتا ہے،۔رزق دیتا ہے، زندگی اور موت دیتا ہے، کائنات میں تصرف کرتا ہے۔

اولیاء ان کے یہاں غوث، اقطاب، ابدال اور نجباء میں منقسم ہیں، اور وہ سب غار حراء میں ہر رات جمع ہوتے ہیں اور تقدیروں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ بعض صوفیا یہ عقیدہ نہیں رکھتے ہیں لیکن وہ انہیں اپنے اور اللہ کے درمیاں واسطے بناتے ہیں چاہیں ان کی زندگی میں ہو یا موت کے بعد۔ اور یہ سب اسلام میں ولایت کا جو تصور ہے اس کے سراسر منافی ہے، اسلامی ولایت ایمان، تقوی، عمل صالح اور اللہ عزوجل کے لئے کامل عبودیت اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور فقر و محتاجگی کے احساس پر قائم ہے، اور اس عقیدے پر قائم ہے کہ ولی اپنے نفس کا بھی کچھ بھی مالک نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ دوسروں کا مالک بنے۔

بطور مثال آپ امام لالکائی کی کتاب "شرح أصول اعتقاد اہل السنہ" میں کرامت کے باب کو پڑھیں اور صوفیوں کے یہاں محدث، فقیہ، اور قطب ربانی سے مشہور شعرانی کی معروف کتاب "طبقات کبری" اور دیگر کتابوں کو اٹھالیں تو آپ کو اوپر

ذکر کئے گئے فروق واضح طور پر نظر آئیں گے، چنانچہ امام لالکائی نے اپنی کتاب میں جتنی بھی کرامتیں ذکر کیے ہیں، اگر وہ سند کے اعتبار سے صحیح ہوں تو ان کو قبول کرنے میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے، ان میں نہ ہی شرک وبدعات کا شائبہ ہے، اور نہ ہی فسق وفجور اور کفر وزندقہ کی دعوت دی گئی ہے، اور نہ ہی شیطانی احوال کو کرامت کہا گیا ہے، بلکہ اس میں مذکور کرامتوں کی زیادہ تر نوعیت یہی ہے کہ کسی بندے نے اللہ عزوجل سے کوئی مباح چیز کی دعا کی اور اللہ نے اس کی دعا کو سن لیا، اور اس کی مراد پوری ہوگئی، گویا اس میں خالق کے سامنے مخلوق کا ضعف اور خالق کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے جو کہ قرآن وسنت کے منہج اور عقیدے کے عین موافق ہے۔

اس کے برعکس بریلوی کتابوں کی کرامتوں کو پڑھیں گے تو ان میں ان کے خود ساختہ اولیاء کے لیے کہیں علم غیب کا دعویٰ کیا گیا ہے تو کہیں پر انہیں کائنات کی باگ ڈور دے دی گئی، کہیں ان کو شریعت سے آزاد قرار دیا گیا ہے، اور کہیں پر فسق و فجور، ظلم وزیادتی اور کفر وشرک، بدعات وخرافات کا نام کرامت اولیاء رکھ دیا گیا ہے۔

عبد الوہاب شعرانی متوفی(۱۳۲۱) نے اپنی کتاب "طبقات کبری" میں زندگی بھر غسل نہ کرنے والوں، پوری زندگی ننگے رہنے والوں، ننگے ہو کر خطبہ دینے والوں، گدھی کے ساتھ علانیہ جفتی کرنے والوں، مرید کو اپنا براز کھلانے والے تاکہ اس کو شہد کا مزہ ملے، فاحشہ عورتوں کی خدمت کرنے والے، ان کے ساتھ رات گزارنے والے اور ان سے لات گھونسا کھانے والے، اپنے عضوِ خاص کو بڑھا کر کھڑے کھڑے مرید کے چہرے پر مارنے والے، اور قسم قسم کے جھوٹے، ڈھونگی، پاگل اور ایسے لوگوں کو اولیاء اللہ میں شامل کیا ہے جن سے زیادہ خبیث، بد خلق، گندے اخلاق و کردار انسان کے بارے نہیں سنا گیا۔(۱)

یہاں ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ امام لالکائی نے جن اسلاف کرام کی کرامتوں کا تذکرہ کیا ہے ان کی کل تعداد سو کے قریب ہے، ان میں تیس صرف صحابہ کرام ہیں، باقی تابعین عظام اور نامور محدثین کرام اور چند مشہور عباد وزہاد۔ اور اس باب میں روایتوں کی کل تعداد تقریبا دو سو ہیں۔ گویا انہوں نے کسی ایک سلف کی زندگی میں اکثر وبیشتر کسی ایک ہی کرامت کا ذکر کیا ہے، پھر احتیاط کا عالم دیکھیں کہ انہوں نے ان کرامتوں کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہے تاکہ لوگ ان ہی

---

(۱) دیکھیں: طبقات الشعرانی: (۱۳۵/۲-۱۴۲)۔

کرامتوں کے تعلق سے صحت کا گمان رکھیں جو سند کے اعتبار سے قابل قبول ہیں ، باقی جو کرامتیں ضعیف اور منکر اسانید سے مروی ہیں ان کے ضعف سے بھی آگاہ رہیں۔

اس کے مقابلے صوفیا اپنی کتابوں میں کسی ایک انسان کے تعلق سے کرامات کے نام پر من گھڑت قصے، کہانیوں اور خود ساختہ واقعات کا انبار لگا دیتے ہیں، گویا کرامات کا اختیار اولیاء کے پاس ہوتا ہے، اور وہ اپنی مرضی سے جب چاہتے ہیں ان کا اظہار کرتے رہتے ہیں، جبکہ یہ محض اللہ عزوجل کا فضل وکرم ہوتا ہے جب اور جس بندے کو چاہتا ہے نوازتا ہے، بندے کا ان میں کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے، اور یہ کرامتیں بھی بے سروپیر کے نقل کرتے جاتے ہیں۔

اسی طرح امام لالکائی نے جن بزرگوں کی کرامات کا ذکر کیا ہے ان کے مقام ومرتبہ کو دیکھیں، وہ جاںنثارانِ رسول کا مقدس گروہ ہے یا پھر ان کے اتباع اور محدثین وفقہاء کی بابرکت جماعت، انبیاء کرام کے بعد جن سے بڑے اولیاء، صلحا اور اتقیاء اس چشمِ فلک نہیں دیکھا، اس کے مقابلے صوفیوں کی اِن کتابوں میں بہت سارے فساق وفجار، شعبدہ باز، جادوگر، ملاحدہ وزنادقہ کو بھی اولیاء اللہ میں شمار کیا گیا ہے اور ان کی طرف فضائل ومکارم اور اعلی مقام ومرتبے کو منسوب کیا گیا ہے۔

لہذا ڈاکٹر حافظ زبیر کا یہ کہنا کہ امام للاکائی نے اپنی کتاب میں جو کرامتیں نقل کی ہیں یہ کرامتیں ویسی ہی ہیں جو آپ کو فضائل اعمال، فضائل صدقات اور فیضان سنت وغیرہ جیسی کتب میں مل جاتی ہیں کس قدر صریح بہتان، جھوٹ اور جہالت پر مبنی ہے۔

(۲) دوسرا مغالطہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ بریلوی اور دیگر متاخرین صوفیا معروف الکرخی، مالک بن دینار، ابراہیم بن ادہم البلخی، بشر الحافی، الحارث المحاسبی رابعہ العدویہ جیسے متقدمین صوفیا کے سلسلے کی کڑیاں ہیں، اور یہ لوگ ان کے منہج اور عقیدے پر ہیں۔

یہ بھی صاحب تحریر کے صوفیاء کی تاریخ اور ان کے عقائد سے ناواقفیت کی دلیل ہے، متاخرین صوفیا کا ان متقدمین سے سوائے نام کے کوئی اور رشتہ نہیں ہے، یہ اپنے عقیدے اور منہج میں ان سے بالکلیہ کٹے ہوئے ہیں، ان بزرگوں میں سے جن کی نسبت تصوف کی طرف کی جاتی ہے وہ اصحاب علم وفضل اور کتاب وسنت کے متبع وپیروکار تھے، انہیں یہ لقب ان کی

عبادت وزہد، تقشف، دنیابیزاری اور نفس پر حد سے زیادہ مشقت اور شدت کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ بعد کے حلولی واتحادی صوفیا کی بدعات وخرافات اور شرکیات سے وہ کافی دور تھے۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ -رحمہ اللہ- نے ان دونوں گروہوں کا تذکرہ یوں کیا ہے:(فإن ابن عربي وأمثاله وإن ادعوا أنهم من الصوفية فهم من صوفية الملاحدة الفلاسفة ليسوا من صوفية أهل العلم، فضلا عن أن يكونوا من مشايخ أهل الكتاب والسنة كالفضيل بن عياض وإبراهيم بن أدهم وأبي سليمان الداراني ومعروف الكرخي والجنيد بن محمد وسهل بن عبد الله التستري وأمثالهم رضوان الله عليهم أجمعين): ۔ الفرقان بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان۔[١]

"ابن عربي اور ان جیسے لوگ جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ صوفیاء میں سے ہیں تو در حقیقت وہ ان صوفیوں میں سے ہیں جو ملاحدہ اور فلاسفہ ہیں، وہ اہل علم صوفیاء میں سے نہیں ہیں، چہ جائیکہ کہ وہ کتاب وسنت کے پیروکار مشائخ اور اہل علم میں سے ہوں، جیسے فضیل بن عیاض، ابراہیم بن أدہم، ابو سلیمان الدارانی، معروف کرخی، جنید بن محمد اور سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم ہیں"۔

ہاں ان بزرگوں کی طرف بعض منکر اقوال منسوب ہیں لیکن وہ اقوال یا تو اکثر بے سند ہیں جن کی صحت نامعلوم ہے اور بعض اقوال کا کذب ظاہر ہے۔

چنانچہ ان منکر اقوال میں سے بعض اقوال کے تعلق سے جو رابعہ عدویہ کی طرف منسوب ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:" وأما ما ذكر عن رابعة من قولها عن البيت: أنه الصنم المعبود في الأرض - فهو كذب على رابعة ---وكذلك ما نقل من قولها: والله ما ولجه الله ولا خلا منه. كلام باطل عليها"۔[٢]

---

(١)(ص:١٠٣)۔

(٢)مجموعۃ الرسائل والمسائل-ط وہبۃ(١٢٨/١)۔

رابعہ (عدویہ) کے تعلق سے جو یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ ”بیت اللہ روئے زمین میں صنم ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے“، تو یہ ان پر جھوٹ ہے، اسی طرح ان سے جو یہ نقل کیا گیا کہ ”اللہ کی قسم اللہ نہ ہی بیت اللہ میں داخل ہوا اور نہ ہی اس کی ذات سے وہ خالی ہے“۔ یہ نسبت بھی باطل ہے۔

ہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہم ان بزرگوں کا دفاع یا ان کی تعریف ہم متاخرین صوفیا کے مقابلے میں کر رہے ہیں ورنہ ہمارے نزدیک تصوف کی اصلاح ایک بدعتی اصلاح ہے، نفس کے تزکیہ اور تطہیر کے لیے کسی بدعتی اصطلاح اور طریقہ کار کی قطعا ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ پوری شریعت ہی بندوں کے تزکیہ اور تطہیر کے لیے نازل ہوئی ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ".(۱)

”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“۔

گویا نبی ﷺ کی بعثت اور نزولِ قرآن کا مقصد اولین ہی تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم ہے، چنانچہ رب پر ایمان، اس کی محبت، اس کی معرفت، ذکر واذکار، اسی کا خوف، اسی سے امید ورجا، اسی پر اعتماد وبھروسہ، نماز، روزہ، حج، زکات اور شریعت کے ایک ایک حکم میں ہمارے نفوس کا تزکیہ اور ہمارے قلوب واذہان کی تطہیر ہے اور ہماری دنیاوی اور اخروی سعادت مضمر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مندرجہ ذیل تین امور حصول تزکیہ کے وسائل ہیں:

۱- عقیدۂ توحید کا التزام۔

۲- واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب۔

۳- نوافل کا اہتمام۔

---

(۱)[الجمعة:۲]۔

ان کے علاوہ تزکیۂ نفس کے جو نت نئے طریقے اور اسالیب ایجاد کئے گئے جن پر کتاب وسنت میں دلائل موجود ہیں اور نہ ہی اصحاب رسول نے ان کو اپنایا ہے وہ بدعت وضلالت کی راہ ہے، جس سے نبی ﷺ نے ہمیں ڈرایا اور متنبہ کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بریلوی اور متاخرین صوفیا ابن عربی، ابن سبعین، حلاج، ابن فارض، اور عفیف تلمسانی جیسے اصحابِ حلول واتحاد، کفریات وشطحیات، زندقہ والحاد، وشعبدہ باز کے منہج پر ہیں، جن کے نزدیک تزکیہ کی غرض وغایت مکاشفات، علم لدنی کا حصول، شرعی تکلیف کا اسقاط، فناو وحدت الوجود وغیرہ ہیں، اور اس کے لیے وہ ایسی خود ساختہ عبادتوں، وظائف اور اعمال کا سہارا لیتے ہیں جن کو اللہ نے نازل نہیں فرمایا ہے، وہ اپنے عمل وکردار کے ذریعے کتاب وسنت سے بے نیازی کا اعلان کرتے ہیں، اور ان کے نصوص کی بے جا تاویلیں کرتے ہیں، ان کا تصوف در اصل مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے فلسفات، خزعبلات، اور خرافات کا مجموعہ کا ہے، چنانچہ کوئی بھی کفر، زندقہ، الحاد نہیں ہے جو اس صوفی فکر میں داخل ہو کر صوفی عقیدے کا روپ دھارن نہ کر لیا ہو، چنانچہ وحدت الوجود کا عقیدہ، مخلوق میں اللہ کی ذات کے حلول کا عقیدہ، عصمت اولیاء کا عقیدہ، کائنات میں اللہ کے علاوہ کسی اور ذات کے تصرف کا عقیدہ وغیرہ اسی کے مختلف مظاہر واشکال ہیں۔

الغرض ان صوفیوں کا ان عباد وزہاد کے ساتھ دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے جن کی نسبت تصوف کی طرف کی جاتی ہے، جو اربابِ علم وفضل اور زہد وتقوی تھے اور جن کا تصوف، اسلامی تعبیر احسان سے قریب تر، اور تشقف وزہد وورع میں مبالغہ آرائی سے عبارت ہے۔

امام لالکائی نے اپنی کتاب میں اسی دوسرے گروہ کے چند کرامتوں کا ذکر کیا ہے جن میں کوئی شرعی محظور بھی موجود نہیں ہے، بلکہ وہ نبوی منہج اور قرآنی اعتقاد سے بالکل اہم آہنگ ہیں جن میں بندے کا ضعف اور عجز اور خالق کے صفات کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور وہ بھی انہوں نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے، تاکہ ان کی صحت وضعف کا بھی علم ہو سکے،، لیکن ڈاکٹر حافظ زبیر کے جہلِ مرکب اور کبر وعناد کا مظاہرہ کریں کہ اس کی وجہ سے انہوں نے عقیدۂ سلف پر مشتمل اس عظیم الشان وجلیل القدر کتاب کو فضائل اعمال، فضائل صدقات اور فیضان سنت جیسی گمراہ کن، اور ضلالات وخرافات سے پر کتابوں کے مشابہ قرار دیا، نیز امام لالکائی جیسے توحید وسنت کے عظیم علمبردار کو توحید وسنت کے دشمن، قبر پرست، اور شرک وبدعات کے رسیا بریلویوں کا آدمی قرار دے دیا۔۔۔ اس طرح گویا انہوں نے طہارت کو نجاست کے ساتھ، توحید کو شرک کے ساتھ، ہدایت کو ضلالت کے ساتھ اور ایمان باللہ کو زندقہ اور الحاد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

اس مختصر وضاحت سے اس تحریر میں چھپے ہوئے دجل وفریب، تلبیس اور کذب وافتراء کی قلعی کھل جاتی ہے، اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہمارے لیے راہِ حق کو واضح کر دے، اور اس پر قائم ودائم رکھے، اور ہر طرح کے گمراہ کن اور باطل افکار ونظریات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

ابو بکر صدیق ﷜: فضیلت، خلافت
اور روافض کے بعض شبہات (قسط دوم)

خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دلائل:

پہلی دلیل: عن أبي بكرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم: «من رأى منكم رؤيا؟» فقال رجل: أنا، رأيت كأن ميزانا نزل من السماء فوزنت أنت وأبو بكر فرجحت أنت بأبي بكر، ووزن عمر وأبو بكر، فرجح أبو بكر، ووزن عمر وعثمان، فرجح عمر ثم رفع الميزان، فرأينا الكراهية في وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم.(۱)

ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: «خلافة نبوة، ثم يؤتي الله الملك من يشاء».(۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "تَأْوِيل رَفْعِ الْمِيزَانِ انْحِطَاطُ رُتْبَةِ الْأُمُورِ وَظُهُورُ الْفِتَنِ بَعْدَ خِلَافَةِ عُمَرَ، وَمَعْنَى رُجْحَانِ كُلٍّ مِنَ الْآخَرِ فِي الْمِيزَانِ أَنَّ الرَّاجِحَ أَفْضَلُ مِنَ الْمَرْجُوحِ، وَإِنَّمَا لَمْ يُوزَنْ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ لِأَنَّ خِلَافَةَ عَلِيٍّ عَلَى اخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ فِرْقَةٌ مَعَهُ وَفِرْقَةٌ مَعَ مُعَاوِيَةَ، فَلَا تَكُونُ خِلَافَةً مُسْتَقِرَّةً مُتَّفَقًا عَلَيْهَا. ذَكَرَهُ ابْنُ الْمَلَكِ." (۳)

(میزان اٹھائے جانے کی تعبیر یہ ہے کہ امور خلافت کے انحطاط اور عمر ﷜ کے دور خلافت کے بعد فتنوں کا ظہور ہو گا، نیز میزان میں بعض کا بعض کے مقابلے میں راجح ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ راجح مرجوح کے مقابلے میں افضل ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان موازنہ نہ کئے جانے کا سبب یہ ہے کہ حضرت علی ﷜ کی خلافت

((۱))سنن أبی داود:(۴۶۳۴).

((۲))سنن أبی داود:(۴۶۳۵).

(۳)مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح:(۳۹۱۵/۹).

کے معاملے میں صحابہ کرام دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے تھے، ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور دوسری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق قائم نہیں ہوا تھا)۔ (اسے ابن الملک رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے)۔

یہ حدیث ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اول ہونے کی واضح دلیل ہے، نیز خلافت کی ترتیب میں اہل سنت کے عقیدے کی بھی تائید کرتی ہے۔ میزان کے اٹھنے اور جھکنے کی تعبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت سے کی جس کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

دوسری دلیل: عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي: لَقَدْ هَمَمْتُ – أَوْ أَرَدْتُ – أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ وَأَعْهَدَ: أَنْ يقُولَ القَائِلُونَ – أَوْ يتَمَنَّى المتَمَنُّونَ – ثُمَّ قلْتُ: يَأْبَى اللَّهُ وَيَدْفَعُ المؤْمِنُونَ، أَوْ يَدْفَعُ اللَّهُ وَيَأْبَى المؤْمِنُونَ".[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابو بکر اور اس کے بیٹے کو بلاؤں اور انہیں خلیفہ بنادوں تاکہ کسی دعویٰ کرنے والے یا اس کی خواہش رکھنے والے کے لیے گنجائش باقی نہ رہے لیکن پھر میں نے سوچا کہ اللہ خود کسی دوسرے کی خلافت کا انکار کرے گا اور مسلمان بھی اسے مسترد کر دیں گے۔۔۔۔ یا فرمایا۔۔۔ اللہ دفع کرے گا اور مسلمان کسی اور کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے"۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِي مَرَضِهِ "ادْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ، أَبَاكِ، وَأَخَاكِ، حَتَّى أَكْتُبَ كِتَابًا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يتَمَنَّى مُتَمَنٍّ ويقُولُ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلَى، وَيَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ".[۲]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے (آخری) مرض کے دوران مجھ سے فرمایا: "اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی تمنا

(۱) صحیح البخاری: ۵۶۶۶۔

(۲) صحیح مسلم: ۲۳۸۷۔

کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا: میں زیادہ حقدار ہوں جبکہ اللہ بھی ابو بکر کے سوا (کسی اور کی جانشینی) سے انکار فرماتا ہے اور مومنین بھی۔"

عَنْ عَائِشَةَ – رضي الله عنها – قَالَتْ: "لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: "ائْتِنِي بِكَتِفٍ أَوْ لَوْحٍ حَتَّى أَكْتُبَ لِأَبِي بَكْرٍ كِتَابًا لَا يُخْتَلَفُ عَلَيْهِ"، فَلَمَّا ذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ لِيَقُومَ قَالَ: "أَبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ أَنْ يُخْتَلَفَ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ".[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ بیمار ہوئے تو عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے کوئی ہڈی یا تختی لا کر دو تاکہ میں ابو بکر کے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ جس کی کوئی مخالفت نہ کر سکے، جب عبد الرحمن جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ رب العالمین اور مومنین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ آپ کے متعلق اے ابو بکر، اختلاف کیا جائے۔

امام ابن بطال رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "قال المهلب: فيه دليل قاطع فى خلافة أبى بكر وهو قوله: (لقد هممت أن أرسل إلى أبا بكر وابنه) يعنى: فأعهد إلى أبى بكر (ثم قلت: يأبى الله) أى: يأبى الله غير أبى بكر، ويدفع المؤمنون غير أبى بكر بحضرته".[۲]

(مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اور بالخصوص حدیث کا یہ جملہ: "میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابو بکر اور اس کے بیٹے کو بلاؤں اور ان کے لئے عہد نامہ لکھ دوں" یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے- ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل قاطع ہے، مزید آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ رب العالمین اس بات کا انکار کرتے ہیں" یعنی اللہ رب العالمین اور مومنین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کوئی اور خلیفہ مقرر کیا جائے)۔

اس حدیث سے کئی فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔حدیث کے الفاظ –"لَقَدْ هَمَمْتُ – أَوْ أَرَدْتُ – أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ وَأَعْهَدَ" (میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابو بکر اور اس کے بیٹے کو بلاؤں اور انہیں خلیفہ بنا دوں)، "ادْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ، أَبَاكِ، وَأَخَاكِ، حَتَّى أَكْتُبَ كِتَابًا" (اپنے

---

(۱)مسند احمد:۲۴۲۴۵. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۶۹۰۔

((۲))شرح صحیح البخاری لابن بطال: (۲۸۲/۸)۔

والد ابو بکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں)،"ائْتِنِي بِكَتِفٍ أَوْ لَوْحٍ حَتَّى أَكْتُبَ لِأَبِي بَكْرٍ كِتَابًا لَا يُخْتَلَفُ عَلَيْهِ" (مجھے کوئی ہڈی یا تختی لا کر دو تاکہ میں ابو بکر کے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ جس کی کوئی مخالفت نہ کر سکے)۔ واضح طور سے دلالت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات میں ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا چاہا مگر پھر ارادہ ترک کر دیا۔ ارادہ ترک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو علم ہو گیا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ مقرر کئے جائیں گے، لہٰذا آپ اللہ کی تقدیر پر راضی ہو گئے۔ آپ کا ارادہ کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ خلیفہ اول ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

٢۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابتدائی طور پر ہونے والے اختلاف کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی اشارہ کر دیا تھا، جس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: "فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ وَيَقُولُ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلَى" (مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا: میں زیادہ حقدار ہوں)۔

٣۔ اس ابتدائی اختلاف کے بعد متفقہ طور پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ نامزد کئے جانے کی بھی پیشن گوئی اس حدیث میں موجود ہے۔ اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: "أَبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ أَنْ يُخْتَلَفَ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ" (اللہ رب العالمین اور مومنین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ اے ابو بکر! آپ کے سلسلے میں اختلاف کیا جائے)۔

تیسری دلیل: عن عبد الله بن زمعة، قال: لما استعز برسول الله –صلى الله عليه وسلم– عملي وأنا عنده في نفر من المسلمين دعاه بلال إلى الصلاة، فقال: مروا من يصلي للناس، فخرج عبد الله بن زمعة، فإذا عمر في الناس، وكان أبو بكر غائبا، فقلت: يا عمر، قم فصل بالناس، فتقدم فكبر، فلما سمع رسول الله –صلى الله عليه وسلم– صوته –قال وكان عمر رجلا مجهرا– قال: "فأين أبو بكر؟ يأبى الله ذلك والمسلمون، يأبى الله ذلك والمسلمون" فبعث إلى أبي بكر فجاء بعد أن صلى عمر تلك الصلاة، فصلى بالناس. (١)

(حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بہت بڑھ گئی اور میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو نماز کے لیے بلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کسی سے کہہ دو، وہ لوگوں کو نماز پڑھا دے۔" عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نکلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے جب

(١) سنن أبي داود: (٤٦٦٠)۔

کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔ میں نے کہا: اے عمر! اٹھیے اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور تکبیر کہی۔ (ادھر) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سنی- اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز آدمی تھے- تو فرمایا: "ابو بکر کہاں ہیں؟ اللہ اس کا انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی۔ اللہ اس کا انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی۔" لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، جب وہ پہنچے تب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تھے، پھر بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وہی نماز دوبارہ پڑھائی۔)

امام خطابی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "وفي الخبر دليل على خلافة أبي بكر رضي الله عنه وذلك أن قوله صلى الله عليه وسلم يأبى الله ذلك والمسلمون، معقول منه أنه لم يرد به نفي جواز الصلاة خلف عمر فإن الصلاة خلف عمر رضي الله عنه ومن دونه من المسلمين جائزة، وإنما أراد به الإمامة التي هي دليل الخلافة والنيابة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في القيام بأمر الأمة بعده".

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول (اللہ رب العالمین اور مومنین کو یہ بات تسلیم نہیں) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اس بنیاد پر نفی نہیں فرمائی کہ حضرت عمر کی اقتدا میں نماز درست نہیں، کیونکہ نماز تو حضرت عمر اور ان سے کم مرتبہ صحابی کی اقتدا میں بھی جائز ہے۔

در اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود امامت کبری کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ میرے بعد میری نیابت اور امت مسلمہ کی نگہبانی حضرت ابو بکر صدیق کے ذمہ ہوگی۔)

نیز امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقد حكى سفيان بن عيينة عن أهل العلم قبله: أنه – صلى الله عليه وسلم – أراد أن يكتب استخلاف الصديق ثمَّ ترك ذَلِكَ اعتمادًا عَلَى ما علمه من تقدير الله تعالى ذلك كما هم بالكتاب في أول مرضه حين قال وارأساه ثم ترك الكتاب وقال يأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر ثم نبه أمته على استخلاف أبي بكر بتقديمه إياه في الصلاة.(۱)

(سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنے ماقبل کے علما سے نقل کیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا، پھر آپ نے تقدیر الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے ارادہ ترک کر دیا جس کا علم آپ کو ہو چکا تھا، جیسا کہ اپنی بیماری

((۱)) صحیح مسلم بشرح النووی: (۱۱/۹۰-۹۱)۔

کے ابتدائی ایام میں جب آپ ﷺ نے "وارأساہ" [ہائے میرا سر]کا جملہ کہاتو آپ نے امر خلافت کو لکھ کر سونپنے کا ارادہ کیا، پھر ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا:"اللہ رب العالمین اور تمام مومنین (سوائے ابو بکر کے کسی اور کا) انکار کرتے ہیں، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپ کر آپ ﷺ نے اپنی امت کو انہیں خلیفہ متعین کرنے کی آگاہی دی۔)

چوتھی دلیل: عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ، وَسُئِلَتْ: " مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْلِفًا لَوِ اسْتَخْلَفَهُ؟ قَالَتْ: أَبُو بَكْرٍ، فَقِيلَ لَهَا: ثُمَّ مَنْ؟ بعْدَ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: عُمَرُ.[۱]

(ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو فرماتے ہوئے سنا، ان سے پوچھا گیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے ؟حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہانے کہا:حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو، پھر پوچھا گیا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد کس کو؟انہوں نے کہاحضرت عمر کو۔)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هذا دليل لأهل السنة في تقديم أبي بكر ثم عمر للخلافة مع إجماع الصحابة وفيه دلالة لأهل السنة أن خلافة أبي بكر ليست بنص من النبي صلى الله عليه وسلم على خلافته صريحا بل أجمعت الصحابة على عقد الخلافة له وتقديمه لفضيلته ولوكان هناك نص عليه أو على غيره لم تقع المنازعة من الأنصار وغيرهم أولا ولذكر حافظ النص ما معه ولرجعوا إليه لكن تنازعوا أولا ولم يكن هناك نص ثم اتفقوا على أبي بكر واستقر الأمر، وأما ما تدعيه الشيعة من النص على علي والوصية إليه فباطل لا أصل له باتفاق المسلمين والاتفاق على بطلان دعواهم من زمن علي وأول من كذبهم علي رضي الله عنه بقوله ما عندنا إلا ما في هذه الصحيفة الحديث ولو كان عنده نص لذكره ولم ينقل أنه ذكره في يوم من الأيام ولا أن أحدا ذكره له والله أعلم"۔

(یہ حدیث اہل سنت کے لئے دلیل ہے کہ خلافت میں ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما دوسروں پر مقدم ہیں، اور اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہے۔ نیز حدیث مذکور اس امر پر بھی دال ہے کہ خلافت ابو بکر پر نص صریح موجود نہیں ہے، البتہ آپ کی خلافت اور دوسرے تمام صحابہ پر آپ کی فضیلت باجماع صحابہ ثابت ہے، کیوں کہ اگر کوئی نص صریح موجود ہوتا تو اولا انصار وغیرہم کی جانب سے امر خلافت میں کوئی تنازع کھڑا نہ ہوتا، جس کے پاس دلیل ہوتی وہ اسے ضرور ذکر کرتا اور لوگ دلیل کی پیروی کرتے، لیکن آپسی اختلاف کا پایا جانا نص صریح کے موجود نہ ہونے کی دلیل ہے۔ نص صریح کی عدم موجودگی کی بناپر ابتدائی طور پر اختلاف پایا گیا اور پھر تمام لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوگئے اور معاملہ اسی پر ٹھہر گیا۔

(۱) صحیح مسلم:(۲۳۸۵)۔

رہا شیعہ حضرات کا یہ دعویٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص موجود ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے انہیں خلیفہ مقرر کرنے کے تعلق سے وصیت لکھی تھی، یہ باجماع المسلمین باطل اور بے بنیاد دعوی ہے، اس دعوے کا بطلان اور اس پر اتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہی پایا جاتا ہے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے ان کے اس باطل دعویٰ کی تکذیب کی، چنانچہ فرمایا: ہمارے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ (الحدیث)۔ اگر ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو ضرور ذکر کرتے، جبکہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی حدیث کبھی بھی ذکر کی ہو یا کسی نے ان کے پاس ایسی کوئی روایت بیان کی ہو۔ واللہ اعلم۔)[۱]

پانچویں دلیل: عن أنس بن مالك، قال: بعثني بنو المصطلق إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: سل لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى من ندفع صدقاتنا بعدك؟ قال: فأتيته فسألته، فقال: إلى أبي بكر۔[۲]

---

(۱) شرح النووی علی مسلم: (۱۵/۱۵۴-۱۵۵)۔

(۲) المستدرک للحاکم: (۴۴۶۰)، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء: (۸/۳۵۸)، "المعجم الکبیر للطبرانی": حدیث نمبر: (۴۲۷، ۴۲۸)، الفتن لنعیم بن حماد: (۱/۱۰۷)، تاریخ دمشق لابن عساکر: (۳۹/۱۷۵)۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ "المعجم الکبیر للطبرانی" کی سند پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَفِيهِ الْفَضْلُ بْنُ الْمُخْتَارِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا". مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: (۵/۱۷۹)۔ اس میں فضل بن المختار نامی راوی نہایت ضعیف ہے۔ جبکہ امام نعیم بن حماد کی ذکر کردہ سند میں عبد الاعلی بن ابی المساور نامی راوی متروک الحدیث ہیں، اور تاریخ دمشق والی سند میں سلم بن میمون الخواص نامی راوی ہیں جن کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أدركته وكان مُرجِئًا، لايكتب حديثه". میں نے اسے دیکھا ہے، یہ مرجی تھا اور اس سے حدیث نہیں لی جاتی تھی۔ تاریخ الإسلام ت بشار: (۵/۳۲۶)۔

اس حدیث کی ایک تیسری سند ہے جسے امام نعیم بن حماد نے "الفتن" میں ذکر کیا ہے: (۱/۱۰۷)۔ امام نعیم بن حماد کی ذکر کردہ سند میں عبد الاعلی بن ابی المساور نامی راوی متروک الحدیث ہیں۔

حدیث مجموعی اعتبار سے مقبول ہے، امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ جہاں تک نصر بن منصور المروزی کی بات ہے تو علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے مقبول قرار دے کر اس روایت کو قابل عمل قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: (۱۳/۴۱۶)۔ "الإيماء إلى زوائد الأمالي والأجزاء" کے محقق نبیل سعد الدین سلیم جزار نے بھی اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے: (۱/۵۱۶)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بنی مصطلق نے رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ سوال کرنے کے لئے بھیجا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم اپنی زکوۃ کس کے سپرد کریں؟ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے یہ سوال پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر کے سپرد کرنا۔۔۔۔۔۔

وجہ استدلال: زکوۃ کی ادائیگی میں اصل یہ ہے کہ وہ خلیفہ یا اس کے نائب کے سپرد کی جائے، عہد نبوی میں اسی طریقہ پر زکوۃ کی ادائیگی کی جاتی تھی، چنانچہ بعض صحابہ کرام کے ذہن میں جب یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہم اپنی زکوۃ کس کے سپرد کریں تو نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا، اور بلا شک وشبہ یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بڑی واضح دلیل ہے۔

چھٹی دلیل: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ، فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تُرِيدُ المَوْتَ، قَالَ: «إِنْ لَمْ تَجِدِينِي، فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ».[۱]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس ایک خاتون آئی اور کسی معاملے کے متعلق آپ سے گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ وہ دوبارہ آئے، اس نے کہا: اللہ کے رسول! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ اس کا اشارہ آپ کی وفات کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس چلی آنا۔“

امام ابن بطال رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ومن أبين الدليل فى استخلاف أبي بكر قول المرأة للنبي: إن لم أجدك حيا إلى من الملجأ بالحكم؟ فقال (صلى الله عليه وسلم) : (ائت أبا بكر)".[۲]

(حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے واضح ترین دلائل میں سے اس عورت کا یہ قول ہے جس میں اس نے دریافت کیا کہ آپ کی عدم موجودگی میں کس کی طرف رجوع کروں گی تو آپ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نشاندہی فرمائی)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنہ میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وهذا نص جلي على استخلاف أبي بكر".[۳] (اور یہ حدیث ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر واضح نص ہے"۔

---

(۱) صحیح البخاری: ۷۲۲۰۔

((۲)) شرح صحیح البخاری لابن بطال: (۲۸۳/۸)۔

(۳) منہاج السنۃ النبویۃ: (۴۹۶/۱)۔

یاد رہے کہ خلافت ابو بکر کے ثبوت پر نص جلی ہے یا نص خفی، اس امر میں اہل سنت کے علما کے درمیان اختلاف ہے، البتہ یہ کہنا کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی کی خلافت پر کوئی نص منقول نہیں ہے نیز آپ ﷺ بغیر وصیت کئے دنیا سے رخصت ہو گئے، غلط اور بے بنیاد بات ہے، اہل سنت کے کسی عالم نے ایسا نہیں کہا ہے۔ خلافت کا ثبوت اگر نص جلی سے ہے تو اہل سنت کے بعض علما اس کے قائل ہیں اور اگر اس کا ثبوت نص خفی سے ہے تو علماے اہل سنت کی دوسری جماعت اس کی قائل ہے، علی کل حال حق اہل سنت میں ہی محصور ہے۔[1]

ساتویں دلیل: عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ خُطْبَةَ عُمَرَ الآخِرَةَ حِينَ جَلَسَ عَلَى المِنْبَرِ، وَذَلِكَ الغَدَ مِنْ يَوْمٍ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَشَهَّدَ وَأَبُو بَكْرٍ صَامِتٌ لاَ يَتَكَلَّمُ، قَالَ: «كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَعِيشَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَدْبُرَنَا، يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنْ يَكُونَ آخِرَهُمْ، فَإِنْ يَكُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ جَعَلَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ نُورًا تَهْتَدُونَ بِهِ، هَدَى اللَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثَانِيَ اثْنَيْنِ، فَإِنَّهُ أَوْلَى المُسْلِمِينَ بِأُمُورِكُمْ، فَقُومُوا فَبَايِعُوهُ»، وَكَانَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ قَدْ بَايَعُوهُ قَبْلَ ذَلِكَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ، وَكَانَتْ بَيْعَةُ العَامَّةِ عَلَى المِنْبَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ لِأَبِي بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ: «اصْعَدِ المِنْبَرَ»، فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتَّى صَعِدَ المِنْبَرَ، فَبَايَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً.[2]

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضرت عمر کا دوسرا خطبہ سنا جب آپ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی وفات کے دوسرے دن کا ہے۔ حضرت عمر نے خطبہ پڑھا جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے اور کوئی بات نہ کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ رہیں گے اور ہمارے کاموں کی تدبیر و انتظام کرتے رہیں گے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ سیدنا محمد ﷺ ان سب سے آخر میں وفات پائیں گے۔ اگر محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے نور (قرآن) کو باقی رکھا ہے جس کے ذریعے سے تم ہدایت حاصل کرتے رہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے سیدنا محمد ﷺ کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے ساتھی اور دو میں سے دوسرے ہیں (یعنی غار ثور کے ساتھی ہیں)۔ وہ مسلمانوں میں بہترین شخص ہیں جو تمہارے امور سر انجام دیں لہٰذا اٹھو اور ان سے بیعت کرو۔ ان میں سے ایک جماعت پہلے ہی سقیفہ بنو ساعدہ میں آپ سے بیعت کر چکی تھی۔ پھر عام لوگوں نے منبر نبوی پر بیعت کی۔ زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس دن کہہ رہے تھے: آپ منبر پر تشریف لائیں۔ وہ ان سے مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ وہ تشریف لے آئے اور سب لوگوں نے آپ سے بیعت کر لی۔)

---

(۱) منہاج السنة النبوية (۴۹۹/۱-۵۰۰)۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا مفہوم ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) صحیح البخاری: ۷۲۱۹۔

امام عینی رحمہ اللہ نے اس اثر کی شرح میں امام ابن التین رحمہ اللہ کا نہایت جامع قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: "قدم الصُّحْبَة لشرفها، وَلما كَانَ غَيره قد شَاركهُ فِيهَا عطف عَلَيْهِ مَا انْفَرد بِهِ أَبُو بكر وَهُوَ كَونه ثَانِي اثْنَيْنِ وَهُوَ أعظم فضائله الَّتِي اسْتحق بهَا أَن يكون خَليفَة من بعد النَّبِي وَلذَلِك قَالَ: فَإِنَّهُ أولى النَّاس بأموركم۔"(۱)

(حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ابو بکرؓ کی قدیم صحبت کا تذکرہ کیا اور اس کی اہمیت و عظمت بیان فرمائی، اور چونکہ یہ وصف دوسروں کے اندر بھی پایا جاتا تھا اس لئے بطور خاص "ثانی اثنین" کی صفت بیان کی جس کے باعث ابو بکرؓ کو نبی اکرم ﷺ کی نیابت کا بجا طور پر استحقاق حاصل ہوتا ہے اور اسی بنا پر فرمایا کہ وہ (ابو بکر) تمہارے امور کی دیکھ بھال کے سب زیادہ حقدار ہیں۔)

اس اثر میں ابو بکرؓ کی خلافت کے تعلق سے ایک نہایت مضبوط اور بہترین دلیل موجود ہے، اور وہ ہے حضرت عمرؓ کا ابو بکرؓ کی خلافت پر قرآنی آیت کو دلیل بنانا، اور اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ صحابی اگر کسی آیت کی تفسیر کریں تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے، لہٰذا حضرت عمرؓ کا اس آیت سے استدلال حکماً مرفوع ہے۔

مزید برآں مذکورہ استدلال تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں کیا گیا تھا، اور سبھی نے اس استدلال سے اتفاق کرتے ہوئے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گویا مذکورہ آیت سے ابو بکرؓ کی خلافت پر استدلال صحابہ کا اجماعی موقف بھی ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے جب اپنے زمانے میں بعض ایسے لوگوں کو دیکھا جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر کسی اور کو مقدم کرتے ہیں تو ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: "مَنْ زَعَمَ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ أَحَقَّ بِالْوِلَايَةِ مِنهُمَا، فقَدْ خَطَّأَ أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَالْمُهَاجِرِينَ، وَالْأَنْصَارَ، وَمَا أُرَاهُ يرْتَفِعُ لَهُ مَعَ هَذَا عَمَلٌ إِلَى السَّمَاءِ"۔(۲)

(جو یہ سمجھتا کہ حضرت علیؓ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ حقدار تھے وہ ابو بکر و عمر اور مہاجرین وانصار تمام کو غلط ٹھہراتا ہے، اور مجھے نہیں لگتا کہ ایسے شخص کا کوئی عمل اللہ کے پاس مقبول ہوگا۔)

کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ابو بکرؓ کو خلیفہ متعین کئے جانے پر اختلاف کیا تھا؟

---

(۱) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: (۲۴/۲۸۰)۔
(۲) سنن أبی داود: ۴۶۳۰۔

حدیثی وتاریخی روایات کے جاننے والے اس بات سے واقف ہیں کہ خلافت کے معاملے میں ابتدائی طور پر جو اختلاف ہوا تھا اس کا تعلق اس سے تھا کہ خلافت انصار کا حق ہے یا مہاجرین کا، اس سے نہ تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار ہیں یا نہیں۔ بطور دلیل یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو کر خلافت کے تعلق سے گفتگو کرنے لگے، یہ خبر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ لیا(دونوں کو ساتھ لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مہاجرین کے کبار صحابہ میں سے صرف وہی دونوں وہاں موجود تھے) جب وہ سقیفہ میں پہنچے تو انصار کے خطیب نے اپنی گفتگو شروع کی اور انصار کے فضائل بیان کرنے کے بعد کہا: "منا أمير ومنكم أمير" (ایک امیر انصار قبیلے سے ہو گا اور ایک قریش کے قبیلے سے)۔ یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نحن الأمراء وأنتم الوزراء" (خلافت ہم قریش کے ہاتھوں میں ہو گی جبکہ وزیر انصار قبیلے سے ہو گا)۔ اس پر ایک انصاری صحابی نے ایک بار پھر سے یہ کہا کہ: "منا أمير ومنكم أمير" (ایک امیر انصار قبیلے سے ہو گا اور ایک قریش کے قبیلے سے) تو اس کے جواب میں پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا، ولكنا الأمراء، وأنتم الوزراء، هم أوسط العرب دارا، وأعربهم أحسابا". (نہیں ایسا ممکن نہیں، خلافت صرف قریش حق ہے البتہ وزرا انصار میں سے ہوں گے، کیوں کہ قریش کا قبیلہ اہل عرب میں سب سے معزز اور سب سے بہترین حسب ونسب والا ہے)۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو تمام صحابہ کرام نے بلا تامل ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (١)

اس کی مزید صراحت مسند احمد کی ایک روایت میں آئی جسے زر بن حبیش نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انصار کہنے لگے کہ ایک امیر ہمارے قبیلے سے ہو گا اور ایک قبیلہ قریش سے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا: "يا معشر الأنصار ألستم تعلمون أن رسول الله – صلى الله عليه

---

(١) صحیح البخاری: (٣٦٦٨).

وسلم – قد أمَرَ أبا بكر أن يؤمَّ الناس؟ فأيكم تطيب نفسه أن يتقدم أبا بكر؟ فقالت الأنصار: نعوذ بالله أن نتقدمَ أبا بكر". (۱)

(اے انصار کی جماعت! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا تھا؟ پھر کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہو گا کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھے؟ انصار نے یہ سن کر کہا: ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھیں۔)

لہذا یہ ایک بے بنیاد بات ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تعلق سے اختلاف تھا۔

(جاری۔۔۔۔۔۔)

(۱)مسند أحمد شاکر:(۱۳۳).

عبداللہ عبدالرشید مدنی
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

امام لالکائی رحمہ اللہ کا تعارف اور ڈاکٹر زبیر کی ہفوات

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وصحبه اجمعين، اما بعد-

محترم قارئین!

جس طرح مسلمانوں کے درمیان کفر وشرک چھپائے منافقین فساد مچاتے آئیں ہیں ٹھیک اسی طرح کچھ لوگ سلفیت اور اہل حدیثیت کا چولا پہنے اہل حدیثوں کے مابین بڑے منظم انداز میں تخریب کاری کرتے آئیں ہیں۔ لیکن جب ان کی دھکتی رگ پر ضرب لگتی ہے تو بلبلا اٹھتے ہیں اور اکثر نادانستہ طور پر خود ہی اپنا راز فاش کر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہ کہیں کے نہیں رہتے۔لا إلى هؤلاء ولا إلى هؤلاء!

کچھ یہی حال پچھلے دنوں سرحد پار کے ایک مفکر جناب ڈاکٹر محمد زبیر صاحب کا ہوا۔ اکثر اہل حدیث انہیں منہج حق کا داعی سمجھتے رہے لیکن جیسے جیسے ان کی ریشہ دوانیاں منظر عام پر آتی گئیں، ان کی قلعی کھلتی گئی۔ کیونکہ صرف رفع الیدین اور آمین بالجہر ہی اہل حدیثیت یا سلفیت نہیں ہے بلکہ یہ ایک طریق اور ایک منہج کا نام ہے۔ یہ منہج انسانی نہیں بلکہ الہی اور نبوی منہج ہے، اس لئے اس منہج میں رد وبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس منہج کے پاسبانِ اولین؛ امام الانبیاء کے رفقا یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہیں۔ بعدہ، ہر دور میں رب تعالی نے اس کی حفاظت کے لئے ایسے جیالے پیدا کئے جنہوں نے اہل بدعت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تحریر وتقریر ہر دو اعتبار سے ان کے حملوں کو ناکام بنایا۔ انہی جیالوں میں ایک عظیم نام ھبۃ اللہ بن الحسن بھی ہے، جنہیں دنیا امام لالکائی کے نام سے جانتی ہے۔

ستمبر ۲۰۲۳ کے اوائل میں جناب محمد زبیر صاحب نے اپنی ایک پوسٹ میں لکھا: "یہ مدخلی سلفیت جب برصغیر میں امپورٹ ہوئی اور منہجی اہل حدیثیت وجود میں آئی تو علامہ لالکائی بغیر سوچے سمجھے عقیدہ اور منہج کے امام قرار پائے"

یہ ایسے ہی ہوا جیسے کوئی کہے کہ صحیح بخاری جب برصغیر میں ترجمہ ہو کر عوام کے درمیان امپورٹ ہوئی تو امام بخاری حدیث اور علوم الحدیث کے امام قرار پائے۔ جس طرح امام بخاری کی امامتِ حدیث پر یہ اعتراض بیوقوفی ہے اسی طرح امام

لالکائی کی عقیدہ و منہج میں امامت پر اعتراض بھی سفاہت کی علامت ہے، کیونکہ امام لالکائی رحمہ اللہ کی امامت اس باب میں تمام اہل علم کے یہاں مسلم و معروف ہے، اور کسی نے ان کو "بغیر سوچے سمجھے" عقیدہ و منہج کا امام نہیں بنایا۔ آیئے سطورِ ذیل میں امام لالکائی اور آپ کی مایہ ناز تصنیف "شرح اصول اعتقاد اہل السنہ" پر کچھ تعارفی گفتگو کرتے ہیں تاکہ "بغیر سوچے سمجھے۔۔۔" والے ڈھونگ کی حقیقت واضح ہو سکے۔

مختصر تعارف:

آپ الامام الحافظ المجوّد المفتی ابو القاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی الشافعی اللالکائی ہیں اور دنیا آپ کو امام لالکائی کے نام سے جانتی ہے۔ بالضبط آپ کی تاریخ پیدائش تو نہیں معلوم ہو سکی لیکن اتنا ملتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے آواخر میں آپ کی پیدائش ہے۔ آپ طبری الاصل ہیں۔ شہرِ ری میں آپ نے احادیث کا سماع کیا۔ پھر بغداد آکر ابو حامد اسفرائنی کے یہاں فقہ شافعی پر تفقہ حاصل کی اور ساتھ ساتھ دیگر اہل علم سے حدیثیں بھی سماعت کیں۔۔ آپ کو "اللوالک" (پیروں میں پہننے والی جوتی یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز) کی جانب منسوب کرکے "اللالکائی" کہا جاتا ہے، یعنی آپ صانع اللوالک تھے (جوتیاں بنانے والے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام لالکائی رحمہ اللہ اپنی محنت کی کمائی پر اکتفا کرتے تھے جو کہ سب سے بہترین کمائی ہے۔ آپ اپنی آخری زندگی میں شہر دینور چلے گئے تھے جہاں ۴۱۸ھ میں آپ نے آخری سانسیں لیں اور شہرت پانے سے قبل ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔[1] فرحم اللہ الإمام اللالکائی وغفر له وتقبل مساعیه وأسکنه فسیح جناته۔

عقیدہ و منہج:

امام لالکائی رحمہ اللہ محدثین کے طریقے پر گامزن تھے اور منہج سلف کے حامل، داعی و محافظ تھے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اہل السنہ کے اجلّا علمانے آپ کی کتابوں کا خوب خوب ذکر کیا اور آپ کی عبارات نقل فرمائی ہیں۔ نیز آپ کی مایہ ناز تصنیف "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" بھی اس کی واضح دلیل ہے اور کتاب کا مقدمہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ بطور مثال دو چند اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ مقدمہ میں امام لالکائی رحمہ اللہ اہل حدیث کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[1] سیر أعلام النبلاء: ۱۳/۳۶۱ط الحدیث، المنتظم: ۱۵/۱۸۸ط العلمیہ، تاریخ بغداد: ۱۶/۱۰۸ط بشار، الأعلام للزرکلی: ۸/۱۷ط دار العلم

"یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے شریعت کو ہم تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور انہی کے ذریعہ سنت کی حفاظت ہوئی ہے"[(1)]

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ہر زمانے میں منہج سلف کے پیروکار یا ایسے علما موجود رہے ہیں جو اللہ کے حق کو قائم رکھنے والے، اور اس کے دین کے خیر خواہ تھے؛ جنہوں نے عقیدہ اہل حدیث کی جمع و تدوین کا فریضہ انجام دیا ہے"[(2)]

اس کے کچھ بعد ہی اہل حدیث کی شان بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہر وہ شخص جو کسی مسلک کا معتقد ہوتا ہے وہ اس مسلک کے صاحب مقولات کی جانب منسوب ہوتا ہے اور اسی کی آرا پر تکیہ کرتا ہے، سوائے اہل حدیث کے، کیونکہ ان کے یہاں صاحب مقولات؛ جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہذا وہ آپ ہی سے منسوب ہوتے ہیں، آپ ہی کی پیش کردہ نظریات پر اعتماد کرتے اور انہی کو دلیل بناتے ہیں، ہر موقع پر آپ ہی جانب رجوع کرتے ہیں، آپ ہی کی اقتدا کرتے ہیں اور ان جملہ امور پر انہیں فخر ہوتا ہے۔ نیز نبی اکرم ﷺ سے قربت کی بنیاد پر اعداے سنت پر فوقیت بھی رکھتے ہیں۔ بھلا شرف و منزلت میں کون ان کی برابری کر سکتا ہے اور میدان فخر و برتریٔ نسب میں کون ان کے سامنے آسکتا ہے!؟"[(3)]

درج بالا سطور سے معلوم ہوا کہ آپ عقیدہ و منہج میں اہل حدیث و سلفی تھے۔ بلکہ عقیدۂ اہل حدیث ہی کی حفاظت کی خاطر آپ نے مذکورہ کتاب تصنیف فرمائی ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ جبکہ یہاں کچھ نئے نئے مفکروں کا حال یہ ہے کہ وہ آپ کو بریلویوں کا امام بنائے بیٹھے ہیں۔ کیسی نری جہالت ہے! فاللہ المستعان۔

امام لالکائی رحمہ اللہ کے اساتذہ:

امام لالکائی رحمہ اللہ نے علما کی ایک بڑی تعداد سے علم حاصل کیا تھا۔ اگر صرف آپ کی ایک ہی کتاب یعنی "شرح اصول اعتقاد اہل السنہ والجماعۃ" کی بات کی جائے تو جن مشائخ سے آپ نے روایات بیان کی ہیں ان کی تعداد ایک سو اسّی (۱۸۰) تک پہنچتی ہیں۔ نیز جن علمانے آپ کا ترجمہ حیات بیان کیا ہے انہوں نے بھی آپ کے مشائخ کی ایک بڑی تعداد کی جانب اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے مشہور شاگرد امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((1)) شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۱/۴۲ ط دار البصیرۃ

((2)) ۱/۴۴

((3)) ۱/۴۲

"آپ (امام لالکائی) رحمہ اللہ نے عیسی بن علی بن عیسی الوزیر، ابو طاہر المخلص، ابو الحسن الجندی اور ان کے طبقے اور ان کے بعد کے طبقے کے دیگر علماسے بھی روایات سماعت کی ہیں۔۔۔۔۔ آپ صاحب فہم تھے اور حدیثوں کے حافظ تھے۔ آپ نے سنن پر، صحیحین کے راویوں کے اسماپر اور شرح السنہ پر کتابیں تالیف فرمائی تھیں "(1)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آپ رحمہ اللہ نے عیسی بن علی بن عیسی الوزیر، المخلص اور بہت سے لوگوں سے حدیثیں سماعت کی تھیں اور کئی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں "(2)

علمائے امت کی گواہیاں:

جو لوگ یہ بھونڈا اور جاہلانہ دعوی کرتے پھرتے ہیں کہ امام لالکائی رحمہ اللہ بغیر سوچے سمجھے "ہندوستان میں "عقیدہ ومنہج کے امام قرار پاگئے؛ ان کی خدمت میں علمائے اسلام کی چند گواہیاں پیش کی جارہی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ آپ رحمہ اللہ ہر دور اور ہر خطے کے لئے سلفیت کے علمبر دار رہے ہیں۔ نیز ہر زمانے میں علمائے امت نے اس باب میں آپ کو مرجع مانتے ہوئے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

جن علمانے امام لالکائی رحمہ اللہ کا ترجمہ بیان کیا ہے وہ سب کے سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ:

۔امام ذہبی نے آپ کو "الامام الحافظ المجوّد المفتی" اور "مفید بغداد فی وقتہ" (اپنے دور میں بغداد کے مفتی) کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔(3)

۔شجاع الذہلی فرماتے ہیں: بہت کم ایسی احادیث ہونگی جو انھیں یاد نہ رہ گئی ہوں۔(4)

۔اور امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

((1)) تاریخ بغداد:۱۶/۱۰۸

((2)) المنتظم:۱۵/۱۸۸

((3)) السیر:۱۳/۱۳۶

((4)) المرجع السابق

"آپ رحمہ اللہ صاحب علم وفہم اور حافظ الحدیث تھے اور احادیث سے آپ کا خاص رشتہ تھا۔۔۔سنت اور اس کی شرف ومنزلت پر آپ کی ایک کتاب ہے جس میں آپ نے **سلف صالحین کے طریق ومنہج** کو بیان کیا ہے"(1)

اس کے علاوہ دیگر علماے امت نے اپنی تصنیفات میں آپ کا اور آپ کی کتابوں کا بارہا حوالہ دیا ہے۔اس کی تفصیل آرہی ہے ان شاءاللہ۔

امام لالکائی رحمہ اللہ کی مایہ ناز تصنیف "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ":

امام لالکائی رحمہ اللہ نے کئی کتابیں تصنیف کی تھیں جیسا کہ امام خطیب بغدادی وابن الجوزی کی عبارات گزر چکیں۔ تاریخی مراجع میں آپ کی چھ سات کتابوں کا بالتصریح تذکرہ ملتا ہے اور وہ یہ ہیں: السنن، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، کرامات الأولیا(یہ ماقبل کتاب کے ساتھ ہی مطبوع ہے)، أسماء رجال الصحیحین، فوائد فی اختیار أبی القاسم اور شرح کتاب عمر بن الخطاب۔

امام کتانی نے آپ کی "السنن" کو فقہی ابواب پر مرتب کتبِ سنن کے زمرے میں شامل کیا ہے۔گویا یہ کتاب سنن اربعہ کی مانند ہوئی۔(2)

ان تمام کتابوں میں "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔اس کتاب میں آپ نے منہج سلف کو احادیث وآثار کی روشنی میں بیان کیا ہے اور منہجی مسائل میں باسند احادیث وآثار کا ایک ناقابل فراموش گنجینہ جمع کردیا ہے،جیسا کہ امام ابن کثیر کی صراحت گزری۔فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

متذکرہ کتاب کو علمانے "السنن"، "اصول السنۃ" اور شرح السنۃ" وغیرہ کئی ناموں سے موسوم کیا ہے لیکن محقق کتاب نے "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" کو ہی راجح قرار دیا ہے کیونکہ ہندی اور ظاہری دونوں مخطوطات میں یہی نام غلافِ کتاب پر درج ہے۔

سبب تالیف کتاب:

امام لالکائی رحمہ اللہ کے دور کے علمانے بدعت اور اہل بدعت کی شر انگیزیوں کے پیش نظر اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی کہ کوئی ایسی کتاب ہو جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو دلائل کے ساتھ بیان کرے۔چنانچہ اس فریضہ کے

((1))البدایۃ النھایۃ:۱۲/۳۰،ط إحیاء التراث

((2))دیکھئے:الرسالۃ المستطرفۃ:۳۷ط دارالبشائر الاسلامیۃ

لئے انہوں نے امام لالکائی رحمہ اللہ سے درخواست کی اور آپ نے بھی اس کی شدید حاجت کو محسوس کرتے ہوئے لبیک کہا اور اس کتاب کی تصنیف فرمائی۔ آپ خود فرماتے ہیں:

"اہل علم نے مجھ سے مکرر درخواست کی کہ دوبارہ عقیدۂ اہل حدیث کی شرح کی جائے۔۔۔لہٰذا میں نے ان کی درخواست قبول کی کیونکہ اس میں مجھے بڑا عظیم فائدہ نظر آرہا تھا، بالخصوص ایسے زمانے میں کہ جب اہل السنۃ کے طور طریقوں کو علما بھول چکے ہیں اور نت نئے علوم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شریعت کے وہ بنیادی وقدیم اصول ضائع ہوگئے جن کی دعوت اسلاف کرام دیتے تھے، جن کی جانب رہنمائی کرتے تھے اور جن پر اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے اس باب میں نئے سرے سے ابتدا کی تاکہ ان اصولوں اور ان کے دلیلوں سے واقفیت ہوسکے اور بس اہل السنۃ کا نام سننے پر ہی اکتفانہ ہو بلکہ اس کی بنیادوں کو بھی جانا جاسکے"(1)

اس کے کچھ بعد اس کتاب کا مرکزی موضوع بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"میں نے اس کتاب کو اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج وطریق پر تصنیف وترتیب دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے"(2)

عظمت کتاب:

کہا جاتا ہے "لایعرف الفضل لأھل الفضل إلا ذووا الفضل"۔ یعنی اہل فضل کی قدر ومنزلت اہل علم وفضل ہی جانتے ہیں۔ بھلا جن کا دور دور تک علم وفضل سے کوئی واسطہ نہ ہو انہیں ائمہ اسلام کی کیا قدر ہوگی! جو شخص امام لالکائی کے متعلق یہ کہے کہ وہ ہندوستان میں آکر امام بنے ہیں، ان کے مبلغ علم پر آدمی سر پیٹنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: وإن عناء أن تفهم جاهلا و يحسب جهلا أنه أفهم منك

یعنی: یہ بڑا سر دردی والا کام ہے کہ آپ کسی ایسے جاہل کو سمجھائیں جو جہالت کی بنا پر یہ سمجھے کہ وہ آپ سے زیادہ سمجھدار ہے!

امام موصوف اور ان کی اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ ہر دور کے علما نے آپ کو منہج سلف کا علم بردار تسلیم کیا ہے اور آپ کی کتاب سے منہجی مسائل اور ان کے دلائل نقل کئے ہیں۔ ذیل میں بطور مثال معدودے چند حوالہ جات پیش کئے جارہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

((1))شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ:۴۴/۱ ط دار البصیرۃ

((2))ص ۴۵/۱

۱۔ امام ابن الجوزی (ت۵۹۷ھ): آپ نے امام لالکائی رحمہ اللہ کی کتاب سے سات سے آٹھ نصوص اپنی مشہور کتاب تلبیس ابلیس میں نقل کئے ہیں۔ البتہ کتاب کا نام ذکر نہیں کیا ہے لیکن سند ذکر کی ہے۔[1]

۲۔ امام عبد الغنی المقدسی (ت۶۰۰ھ): آپ نے اللہ کے آسمان میں ہونے پر ایک مرفوع حدیث ذکر کی جسے امام ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: "اسے ابو القاسم الطبری نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے"۔[2]

فائدہ: الگ سے امام لالکائی کا ذکر کرنے کی وجہ یہ رہی کہ عموماً آپ مشہور کتب حدیث میں موجود روایات کو صاحب کتاب کے بجائے اپنی سند سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ گویا آپ کی یہ کتاب مستخرج کی مانند ہوگئی۔

اسی طرح امام عمرو بن دینار رحمہ اللہ کا مشہور اثر جس میں وہ فرماتے ہیں: میں نے ستر سال سے اپنے مشائخ اور دیگر اہل علم کو یہی کہتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔۔۔ الخ۔ اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد امام مقدسی فرماتے ہیں: اسے دو طبری حضرات؛ جریر بن یزید الفقیہ اور حافظ ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور نے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔[3]

۳۔ امام ابو شامۃ (ت۶۶۵ھ): آپ بھی امام صاحب کی کتاب سے ایک اثر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "مجھے خبر دی ابو بکر الطریثیثی نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی حافظ ابو القاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری نے اپنی سند سے اپنی کتاب "شرح حجج أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة" میں۔۔۔۔ الخ"[4]

۴۔ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ (ت۷۲۸ھ): یہ حوالہ بالخصوص ان لوگوں کے لئے پیش ہے جو صبح وشام ابن تیمیہ ابن تیمیہ کی رٹ لگاتے ہیں لیکن ان کے منہج سے کوسوں دور ہیں۔ امام ابن تیمیہ کی شائد ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس میں امام لالکائی کی کتاب سے نقولات منقول نہ ہوں۔ ڈھیروں مقامات پر شیخ الاسلام نے امام موصوف کی اس مشہور کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ بطور مثال بس ایک کتاب الفتوی الحمویۃ الکبری[5] دیکھ لی جائے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہاں صفات کے باب میں اہل السنۃ کا موقف بیان کرنے کے لئے اور جہمیہ پر رد کرنے کے لئے امام لالکائی کے حوالے سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔

((1)) مثلاً دیکھئے ص۵، ط دار الفکر

((2)) عقیدۃ المقدسی: ص۴۶، ط مطابع الفردوس

((3)) ص ۶۸

((4)) الباعث علی إنکار البدع والحوادث: ص۱۷، ط دار الھدی

((5)) ص۳۲۸، ط دار الصمیعی

۵۔امام ابن ابی العز الحنفی (ت ۷۴۶ھ): آپ نے عقیدہ طحاویہ کی شرح میں امام لالکائی رحمہ اللہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کیا کہ آپ کے پاس ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا گیا جو تقدیر کو جھٹلاتا تھا اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر میرا بس چلے تو اس کی ناک دانت سے چبا کر کاٹ ڈالوں۔(1)

٦۔حافظ ذہبی (ت۷۴۸ھ): آپ نے بھی صفات کے باب میں اہل السنہ کا موقف بیان کرنے کے لئے اور جہمیہ پر رد کرنے کے لئے امام لالکائی کے حوالے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔کہتے ہیں "ونقل أبو القاسم هبة الله۔۔۔الخ"(2)

اس کے علاوہ ایک اور جگہ "الرحمن علی العرش استوی" اور اسی طرح کی دیگر آیات کا مفہوم بیان کرنے کے لئے امام لالکائی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ آسمان میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ آپ کے الفاظ کچھ یوں شروع ہوتے ہیں:قَالَ الإِمَام الْحَافِظ أَبُو الْقَاسِم هبة الله بن الْحسن الطَّبَرِيّ الشَّافِعِي مُصَنف كتاب شرح اعْتِقَاد أهل السّنة وَهُوَ مُجَلد ضخم...الخ(3)

۷۔حافظ ابن حجر (ت ۸۵۲ھ): آپ نے صحیح بخاری کی مایہ ناز شرح فتح الباری میں بیسیوں مقامات پر امام لالکائی کے اقوال، احادیث پر آپ کی تحکیم، رجال پر آپ کا حکم اور عقدی ومنہجی معاملات میں آپ کی اس کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے اور اس سے عبارات نقل کی ہیں۔ مثلا ایک جگہ استوا کے متعلق ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:وأخرج أبو القاسم اللالكائي في كتاب السنة من طريق الحسن البصري عن أمه عن أم سلمة أنها قالت الاستواء غير مجهول والكيف غير معقول والإقرار به إيمان والجحود به كفر. یعنی:ابو القاسم اللالکائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "کتاب السنۃ" میں امام حسن بصری عن امہ عن ام سلمہ کے طریق سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: استوا کا معنی نامعلوم نہیں ہے لیکن اس کی کیفیت عقل میں آنے والی نہیں ہے، اس کا اقرار کرنا ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔(4)

((1)) ص ۲۵۰،ط دار السلام

((2)) العلو للعلی الغفار: ص ۱۵۳،ط أضواء السلف

((3)) ص ۲۴۴

((4)) فتح الباری:۴۰۶/۱۳،ط دار المعرفۃ

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ابو القاسم اللالکائی نے صحیح سند کے ساتھ امام بخاری کا قول روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے شہروں میں ہزار سے زائد علما کرام سے ملاقات کی، ان میں کوئی بھی اس بات میں اختلاف نہیں رکھتے تھے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور اس میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔(1)

۸۔امام سیوطی(ت۹۱۱ھ): آپ نے اپنی کئی کتابوں میں امام لاکائی کو نقل کیا ہے۔ اپنی ایک کتاب میں فرماتے ہیں یہ باتیں امام لاکائی کی کتاب "السنۃ" سے منقول ہیں۔ اس کے بعد کئی آثار نقل کرتے ہیں۔(2)

۹۔۱۰۔مرعی بن یوسف الحنبلی(ت۱۰۳۲ھ)اور محمد بن احمد السفارینی(ت۱۱۸۸ھ) نے اپنی اپنی کتابوں میں امام لاکائی کی اسی کتاب یعنی "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" کے حوالے سے استوا کے متعلق ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وہی قول بیان کیا ہے جس کا ذکر ابھی ابھی گزرا۔(3)

فتلك عشرة كاملة!

ان ائمہ کے علاوہ دیگر علماے امت نے بھی امام لاکائی رحمہ اللہ سے خوب خوب استفادہ کیا ہے اور آپ کی کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً ابن القیم، ابن رجب الحنبلی، صاحب عون المعبود، صاحب تحفۃ الاحوذی، مناوی، اور ابو الطیب الفاسی وغیرہ۔

نیز آپ کے شاگردِ رشید امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی بن حسین بن جدا العکبری کہتے ہیں: "میں نے امام لاکائی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ امام لاکائی نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے بخش دیا! میں نے پوچھا کس بنا پر؟ آپ نے ایک کلمہ کہا السنۃ۔"(4) علما کا غالب گمان یہی ہے کہ اس سے مراد "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" ہی ہے جسے بہت سے علمانے کتاب السنۃ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔

مذکورہ سطور سے یہ واضح ہو گیا کہ امام لاکائی رحمہ اللہ کوئی اس دور میں ہندوستان کے اندر امام نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ ہر دور میں آپ عقیدہ ومنہج کے باب میں درجہ امامت پر فائز رہے ہیں اور دنیا جہان کے علمانے اس کی گواہیاں پیش کی ہیں۔

((1))۱/۴۷

((2))مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ص ۶۳، ط الجامعۃ الاسلامیۃ

((3))أقاویل الثقات في تأویل الأسماء والصفات: ص ۱۲۰، ط الرسالۃ، لوامع الأنوار البھیۃ: ۱/۱۹۹ط مؤسسۃ الخافقین

((4))تاریخ بغداد: ۱۶/۱۰۸ اور دیگر کتب تراجم

حد توتب ہوگئی جب جناب زبیر صاحب نے یہ کہہ کر منہج محدثین سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کردیا کہ امام لالکائی بریلویوں کے امام ہیں کیونکہ ان کی کتاب میں کرامات اولیاء کے باب میں اسی طرح کی ضعیف وموضوع روایات مذکور ہیں جو بریلویوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور اسی لئے بریلویوں نے اس کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے!!!

مسئلہ یہ ہے کہ موصوف نہ اہل حدیث ہیں اور نہ اہل حدیث / محدثین کے منہج کو ہی جانتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی بیو قوفیاں تو ہوں گی ہی۔ بھئی معاملہ تو بہت صاف ہے۔ امام لالکائی نے اس کتاب میں تقریباڈھائی ہزار (۲۵۰۰) احادیث وآثار روایت کی ہیں اور ہر روایت کو باسند ذکر کردیا ہے۔اور اہل علم کے درمیان یہ بات معروف ہے کہ "من أسند لك فقد أحالك" یعنی جس نے سند ذکر کردی اس نے معاملہ آپ کے حوالے کردیا۔

اقتضاء العلم العمل کے مقدمے میں علامہ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: علماے حدیث کے یہاں یہ قاعدہ معروف ہے کہ اگر محدث نے حدیث مع سند بیان کردی ہے تو اس کی ذمہ داری ختم ہوگئی اور اس کی کوئی مسؤلیت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس نے ایک ایسا وسیلہ مہیا کردیا ہے جس کے ذریعہ ایک عالم صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان کر سکتا ہے، یعنی سند!۔ البتہ بہتر تو یہ تھا کہ ہر ہر حدیث کا درجہ بھی بیان کردیتے کہ صحیح ہے یا ضعیف، لیکن حقیقت یہی ہے کہ احادیث کی اس قدر کثیر تعداد و دیگر کئی وجوہات کی بنا پر ہر محدث کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ (1)

وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

((1)) اقتضاء العلم العمل: ص ۴، ط المکتب الاسلامی

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

اہل بدعت سے علم حاصل کرنے اور ان کی تقریر وغیرہ سننے کے تعلق سے سلف صالحین کا منہج (قسط سوم)

آئندہ سطور میں اس دعوے کے اثبات کے لئے نصوص شرعیہ، آثار سلف صالحین اور اقوال ائمہ دین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُواْ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ، فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ، إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ، وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُاْ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ، فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ ٱلْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ، فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْءَٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ ٱلْجَنَّةِ ۚ وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ، ثُمَّ ٱجْتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ، قَالَ ٱهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَنِ ٱتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ."(۱)

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے اسے سجدہ کیا مگر اس نے حکم نہ مانا، لہٰذا ہم نے آدم سے کہا کہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ وہ کہیں تمہیں جنت سے نکلوانہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ، یہاں تو تمہیں نہ بھوک ستاتی ہے نہ ننگے رہتے ہو، نہ پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ، پھر شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا:"آدم! میں تمہیں وہ درخت نہ بتاؤں جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے۔"، آخر ان (دونوں) نے اس درخت کا پھل کھالیا جس سے ان کے ستر کے مقامات ایک دوسرے کے آگے کھل گئے تو وہ جنت کے پتوں سے انہیں ڈھانکنے لگے، اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی لہٰذا وہ بھٹک گئے، پھر ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا، ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت بخشی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں (یعنی انسان اور شیطان) سب یہاں سے نکل جاؤ،

(۱)[سورۃ طہ: ۱۱۶-۱۲۳]۔

تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ تکلیف اٹھائے گا۔

ان آیات کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابونا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کی سب سے اہم وجہ یہ بنی کہ آپ نے اللہ رب العالمین کے منع کرنے کے باوجود شیطان کی باتیں سن لی، نتیجتاً اس سے متاثر ہو کر شجر ممنوعہ کا پھل کھا بیٹھے جس کی پاداش میں جنت سے نکالے گئے؛ حالانکہ آپ ایک نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی زیادہ علم سے نواز رکھا تھا اس کے باوجود بری صحبت اور منحرف مخلوق کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے، لہٰذا ایسے لوگوں کو نصیحت حاصل کرنا چاہیے جو بدعتیوں سے علم حاصل کرتے ہیں یا ان سے علم حاصل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے:"يَابَنِي ءادَمَ لا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لا يُؤْمِنُونَ"۔(١)

اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں فتنے میں مبتلا کر دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان سے ان کے لباس اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں انہیں دکھلا دے، وہ اور اس کا گروہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:"قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ..." ۔(٢)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچے کی پیدائش فطرت (دین اسلام) پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

---

(١)(الأعراف:٢٧)۔

(٢)(صحیح البخاری ح:١٣٨٥،٤٧٧٥، صحیح مسلم ح:٦٧٥٥،٦٧٥٧)۔

محل استشہاد یہ ہے کہ ہر بچہ دین فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن والدین کی تعلیم وتربیت اس کا رخ موڑ دیتی ہے، چنانچہ اگر والدین مسلمان ہوئے تو بچے اسلام پر باقی رہتے ہیں، اور اگر والدین یہودی عیسائی یا مجوسی ہوئے تو بچے بھی ان کی تعلیم وتربیت اور صحبت ومعاشرت سے متاثر ہو کر یہودی عیسائی اور مجوسی بن جاتے ہیں۔

ابو امیہ الجمحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أشراط الساعة أن يلتمس العلم عند الأصاغر"۔[١]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامت یہ ہے کہ "اَصاغر" کے پاس علم حاصل کیا جائے۔

امام عبد اللہ بن المبارک اصاغر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"اصاغر اہل بدعت ہیں"۔[٢]

امام شاطبی رحمہ اللہ ابن المبارک رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"یہ مفہوم بالکل موافق اور درست ہے، کیونکہ اہل بدعت علم میں غیر پختہ اور چھوٹے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے وہ بدعتی بن جاتے ہیں"۔[٣]

اس حدیث نبوی کے اندر بدعتیوں سے علم حاصل کرنے کو قیامت کی علامت قرار دے کر اس کی سنگینی اور خطرناکی بیان کی گئی ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ لوگ جب تک اہل السنہ اہل الحدیث، حاملین منہج سلف صالحین اور پختہ علم علماء سے علم حاصل کرتے رہیں گے خیر وعافیت میں رہیں گے، لیکن جب بدعتیوں اور کچے علم افراد سے دین سیکھنے لگیں گے ہلاکت وبربادی ان کا مقدر ہوگی۔

---

(١)(رواہ ابن المبارک فی الزہد ح:٦١، والطبرانی فی المعجم الکبیر ح:٩٠٨، وصححہ الالبانی فی السلسلۃ الصحیحۃ ح:٦٩٥)۔

(٢)(جامع بیان العلم وفضلہ ١/٦٢١ ح:١٠٥٢، شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ ١/٩٥ ح:١٠٢)۔

(٣)(الاعتصام للشاطبی: ٢/١٧٤)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "تم لوگ اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہ یہ علم کس سے حاصل کر رہے ہو، کیونکہ یہ دین ہے"۔(١)

یہی قول سلف صالحین کی ایک جماعت جیسے ضحاک بن مزاحم وغیرہ سے منقول ہے۔

مشہور تابعی امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تاخذون دينكم" "یہ علم دین ہے تو دیکھو کہ تم کس شخص سے دین حاصل کرتے ہو۔(٢)

مزید فرماتے ہیں: " لَمْ يكُونوا يسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الفتنَةُ، قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ"۔(٣)

(ابتدائی دور میں عالمان حدیث صحابہ و تابعین) اسناد کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ (شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ) واقع ہو گیا تو انہوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے راویوں (حدیث) کے نام لو تا کہ اہل سنت کو دیکھ کر ان سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

لہذا علم دین حاصل کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کر لینا ضروری ہے کہ جس سے علم حاصل کیا جا رہا ہے وہ نیک عادل سچا موحد متبع سنت اور منہج سلف صالحین کا پیروکار ہے یا نہیں؟ اگر معلم ومدرس بدعتی، خواہش پرست اور فاسق وفاجر ہے تو اس سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے گا اور کسی سلفی المنہج، صحیح العقیدہ عالم کی صحبت میں رہ کر ان سے علم حاصل کیا جائے گا۔

جلیل القدر تابعی امام میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " تم ان تین چیزوں کے ذریعے اپنے نفس کو ہرگز آزمائش میں نہ ڈالو: (١) کبھی کسی حکمران کے دربار میں نہ جاؤ، گرچہ تم اسے طاعت الٰہی کی دعوت دینے کا ارادہ ہی کیوں نہ رکھتے

---

(١)(الکفایۃ فی معرفۃ علم أصول الروایۃ للخطیب البغدادی: ص:١٢١)۔

(٢)(مقدمۃ صحیح مسلم ح:٢٦، سنن الدارمی ح:٤٣٨ والأثر صحیح مشہور)۔

(٣)(مقدمۃ صحیح مسلم ح:٢٧)۔

ہو،(۲) کسی خواہش پرست بدعتی کی باتیں ہر گز نہ سنو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم اس کی کون سی بات تمہارے دل میں گھر کر جائے گی،(۳)اور قطعاً(تنہائی میں) کسی عورت کے پاس نہ جاؤ، گرچہ تمہارا مقصد اسے کتاب اللہ کی تعلیم دینا ہو۔(۱)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چار قسم کے لوگوں سے علم نہیں لیا جائے گا:(۱) بے وقوف: جو کھلی حماقت ونادانی کرتا ہو، خواہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ روایت کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔(۲) بدعتی: جو اپنی خواہشات نفسانی کی طرف دعوت دیتا ہو،(۳) وہ آدمی جو لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو: گرچہ اسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جھوٹ سے متہم نہ پایا گیا ہو۔(۴) وہ صالح اور عبادت گزار فاضل شخص: جسے وہ چیزیں یاد نہ ہوں جو وہ بیان کر رہا ہے۔(۲)

مزید فرماتے ہیں:"کہا جاتا تھا(یعنی آپ کے زمانے کے اہل علم، آپ کے اساتذہ اور تابعین عظام کہا کرتے تھے) کہ: تم کسی منحرف اور گمراہ شخص کی باتیں نہ سنو، اور نہ اسے اپنے سامنے کچھ بولنے کی اجازت دو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم اس کی کون سی بات تم سے چمٹ جائے گی (تمارے دل کو آ لگے گی)"۔(۳)

اسماء بن عبید نے کہا کہ خواہش پرستوں (متکلمین و فلاسفہ) میں سے دو آدمی امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابو بکر! ہم آپ کے لئے حدیث بیان کرتے ہیں؟ آپ نے کہا: نہیں (اس کی ضرورت نہیں ہے)، انہوں نے کہا: پھر ہم آپ کو قرآن پاک کی کوئی آیت سناتے ہیں، فرمایا: نہیں، یا تم میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ یا میں خود چلا جاتا ہوں، راوی کہتا: چنانچہ وہ دونوں نکل گئے، تو اہل مجلس میں سے کسی نے کہا: اے ابو بکر! کیا برائی تھی اگر وہ قرآن پاک کی کوئی آیت سنا دیتے؟ فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ وہ کوئی آیت سنائیں اور اس میں تحریف کر دیں اور وہ میرے دل میں بیٹھ جائے۔(۴)

---

(۱)(ذم الھوی لابن الجوزی ص:۱۴۸، تاریخ الإسلام ت بشار ۳۲۷/۳)۔

(۲)(المحدث الفاصل بین الراوی والواعی للرامھرمزی ص:۴۰۳، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۸۲۰/۲)۔

(۳)(المفھم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم للقرطبی ۶۹۱/۶، الاعتصام للشاطبی ت الھلالی ۱۷۳/۱)۔

(۴)(سنن الدارمی ح:۴۱۱ وسندہ صحیح، الإبانۃ الکبری لابن بطۃ ۳۹۸، شرح أصول أھل السنۃ والجماعۃ للالکائی ۲۴۲، الشریعۃ للآجری ۴۴۰/۱ ح:۱۲۱، البدع لابن وضاح)۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو کسی بدعتی کی باتیں سنتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان سنی ہوئی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ہے، اور جو کسی بدعتی سے مصافحہ کرتا ہے تو وہ اسلام کے مضبوط کڑوں کو ایک ایک کر کے توڑ دیتا ہے"۔[۱]

حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یونس بن عبید رحمہ اللہ نے ہم سے کہا: میں تم لوگوں کو تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، پس تم انہیں تھامے رکھو خواہ میں زندہ رہوں یا مر جاؤں: کسی بدعتی کو اپنے کانوں پر مسلط نہ ہونے دو، نہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں رہو، گرچہ اسے قرآن ہی کیوں نہ سکھانا ہو، اور نہ کسی بادشاہ کے دربار میں جاؤ خواہ نصیحت کے ارادے سے ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری روایت میں ہے: "کسی بدعتی کی ہم نشینی نہ اختیار کرو"۔[۲]

امام محمد بن نضر الحارثی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو کسی بدعتی کی باتیں غور سے سنتا ہے وہ اللہ کے حفظ وامان سے نکل جاتا ہے اور اپنے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے"۔ اسی طرح کا قول سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔[۳]

محمد بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو وحی کی کہ: آپ اہل الأہواء کی مجالست اختیار نہ کریں، ورنہ آپ ان سے کوئی ایسی بات سن لیں گے جو آپ کو بہکا دے گی، اور گمراہ کر دے گی اور پھر جہنم میں داخل کر دے گی۔[۴]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ معروف محدث مسدد بن مسرہد رحمہ اللہ کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: "کسی بدعتی سے دینی معاملات میں گفتگو نہ کرو، اور نہ اسے سفر میں اپنے ساتھ رکھو"۔[۵]

---

(۱)(تلبیس إبلیس لابن الجوزی ص:۱۵، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ت الطحان ۱/۱۳۸، تاریخ الإسلام للذہبی ت بشار ۴/۳۸۲)۔

(۲)(الإبانۃ الکبری لابن بطۃ ۲/۴۴۲ ح:۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸ وہو أثر ثابت)۔

(۳)(المجالسۃ وجواہر العلم لابن قتیبۃ ۲/۲۰۹، الإبانۃ الکبری لابن بطۃ ۲/۴۶۱، ح:۴۴۴)۔

(۴)(البدع والنہی عنہا لابن وضاح ت الہلالی ص:۱۰۰، ح:۱۲۸)۔

(۵)(الجامع لعلوم الإمام أحمد ۳/۴۲)۔

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر تم حق اور طریق اہلِ سنت پر استقامت چاہتے ہو تو علم کلام سے بچو، دین کے معاملے میں اہل کلام وجدال اور اصحاب قیاس ومناظرہ سے دور رہو؛ کیونکہ تمہارا ان سے کسی بات کا سننا (اگرچہ تم نے اس کا اثر قبول نہیں کیا) تمہارے اندر ضرور شک پیدا کر دے گا اور یہی قبولیت کا اثر تمہیں ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے، کیونکہ زندیقیت، بدعت، خواہشات نفس اور گمراہی جب بھی پیدا ہوتی ہیں تو کلام وجدال اور قیاس ومناظرہ سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اور یہ بدعت، شکوک اور زندقیت کے دروازے ہیں۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ ان مقامات کا تذکرہ کرتے ہوئے جن میں غیبت کرنا جائز ہے فرماتے ہیں: اور جب آپ کسی طالب علم کو دیکھیں کہ وہ علم حاصل کرنے کے لئے کسی فاسق یا بدعتی کے پاس آنا جانا کرتا ہے، اور آپ کو اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو آپ پر واجب ہے کہ اس (فاسق یا بدعتی) کی حقیقت بیان کر کے اس (طالب علم) کی خیر خواہی کریں، بشرطیکہ آپ کا ارادہ نصیحت کا ہو۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ بدعتی کے پاس علم حاصل کرنے والے کو روکنے کے لئے اس بدعتی عالم کی غیبت کرنا، اس پر جرح و نقد کرنا اور اس کے انحرافات بیان کرنا جائز قرار دے رہے ہیں، تاکہ طالب علم اس بدعتی سے علم حاصل کر کے گمراہ نہ ہو اور سنت سے بھٹک کر بدعت وخرافات کی عمیق کھائی میں گر کر تباہ وبرباد نہ ہو جائے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب تم عقل پرست بدعتی کو یہ کہتے ہوئے دیکھو کہ: بھئی کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑو، ہمارے سامنے عقل پیش کرو، تو جان لو کہ وہ ابو جہل (جہالت کا باپ) ہے، اور جب صوفی توحیدی (وحدت الوجودی) کو یہ کہتے دیکھو کہ: ہمارے سامنے عقل و نقل (کتاب وسنت) نہ پیش کرو، ذوق اور وجدان پیش کرو، تو جان لو کہ وہ ابلیس ہے، جو انسان کی شکل میں آیا ہے، یا یہ کہ اس میں حلول کر گیا ہے، لہٰذا اگر اپنے آپ کو اس کے مقابل

---

(۱)(شرح السنۃ للبربہاری ت الردادی ص:۱۱۸)۔

(۲)(شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۶/۱۴۳)۔

کمزور یا بزدل پاؤ تو بھاگ جاؤ ورنہ اسے پچھاڑ دو اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھو اور اس پر آیت الکرسی پڑھ دو اور اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دو۔(۱)

مزید فرماتے ہیں: "میں نے شیخ موفق کے قلم سے لکھا ہوا پڑھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اپنے بھائی ابو عمر کے ساتھ ابن ابی عصرون کا درس سنا، اور ان سے لا تعلق ہو گئے، پھر میں نے اپنے بھائی کو کہتے ہوئے سنا: کہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: تم لوگوں نے مجھ سے قطع تعلق کیوں کر لیا؟ میں نے کہا: کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ اشعری ہیں، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم میں اشعری نہیں ہوں۔ یہ حکایت کا معنی ہے۔(۲)

یعنی ابو عمر رحمہ اللہ نے جب یہ سنا کہ "ابن ابی عصرون" اشعری ہیں؛ تو ان کے درس میں جانا اور ان سے علم حاصل کرنا ترک کر دیے، تاکہ استاد کے منہج سے متاثر ہو کر صفات باری تعالیٰ کی تاویل اور دیگر انحرافات و مخالفات شرعیہ میں واقع نہ ہو جائیں۔

امام ابن عثیمین رحمہ اللہ اس واقعہ پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: "ان باتوں سے پتا چلتا ہے کہ کسی بھی بدعتی کے ساتھ نہیں بیٹھنا چاہئے گرچہ اشعریت کی طرح اس کی بدعت ہلکی اور خفیف ہی کیوں نہ ہو"۔(۳)

شیخ الکل في الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وعظ کے سننے اور سنانے کا فائدہ یہی ہے کہ ہدایت ہو، لوگ شرک و بدعت اور معاصی سے بچیں، توحید و اتباع سنت کو لازم پکڑیں، اور ظاہر ہے کہ بدعتی مولویوں کے وعظ سے بجائے ہدایت کے گمراہی پھیلتی ہے، ان کے بدعتی وعظ سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں، بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں، سنت کو چھوڑتے ہیں، اور طرح طرح کی خرابیاں ہوتی ہیں۔ کمالا یخفی۔

---

(۱)(سیر أعلام النبلاء ۴/۷۷۲)۔

(۲)(سیر أعلام النبلاء ۲۱/۱۲۹)۔

(۳)(شرح حلیۃ طالب العلم ص:۱۳۷)۔

رہا یہ خیال کہ "بدعتی مولویوں کے وعظ کے اندر جو باتیں خلاف قرآن و حدیث ہوں، ان کو سامعین خیال میں نہ لاویں اور باقی باتوں کو خیال میں لاویں"؛ صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کو اس کی تمیز نہیں کہ کون سی بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور کون موافق، اور جس کو اس کی تمیز ہو اسے خلاف اور ناحق اور منکر باتوں کو سن کر انکار کرنا چاہیے، ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے، ہاتھ اور زبان سے انکار کی یہی صورت ہے کہ اس بدعتی واعظ کو بدعتی وعظ سے روکے، اور دل سے انکار کی یہ صورت ہے کہ اس کی مجلسِ وعظ میں شریک نہ ہو الحاصل بدعتی مولویوں کا بدعی وعظ سننا نہیں چاہیے۔"۔(١)

شیخ محمود خطاب سبکی رحمہ اللہ اپنی کتاب "فتاوى أئمة المسلمين بقطع لسان المبتدعين" کے اندر فرماتے ہیں:"ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اجماع ہے کہ بدعتیوں سے علم نہیں لیا جائے گا، اور ان ائمہ کرام کا موقف ہے کہ زنا جو اکبر الکبائر میں سے ہے وہ بھی کسی بدعتی سے دینی معاملات میں سوال کرنے سے ہلکا اور کمتر ہے۔(٢)

امام ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: کیا بدعتیوں کے ساتھ ان کے دروس میں بیٹھنا اور ان کی مجالس میں شرکت کرنا جائز ہے؟

آپ نے جواب دیا: نہیں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور انہیں دوست بنانا جائز نہیں ہے، بلکہ ان پر انکار و تنقید کرنا اور انہیں بدعات سے دور رہنے کی تلقین کرنا واجب ہے"۔(٣)

امام البانی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:

---

(١)(فتاوی نذیریہ:١/٢٣٩)۔

(٢)(فتاوى أئمة المسلمين بقطع لسان المبتدعين ص:١٣)۔

(٣)(مجلة الفرقان، العدد ١٠٠، ربیع الثانی ١٤١٩ھ، مجموع فتاوى ابن باز ٢٨/٢٦٦)۔

سائل: شیخ ایک طالب کسی اشعری یا اسی قسم کے کسی شخص سے ملاقات کرتا ہے جو کہ بدعتی ہے، اور اس سے نحو یا صرف کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا اس کا یہ عمل درست ہے یا اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے؟

جواب:

شیخ: مطلب آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ طالب علم اس شیخ کے پاس نحو یا صرف کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے؟ سائل: جی، شیخ: اور وہ شیخ مثال کے طور پر اشعری ہیں؟ سائل: جی ایسا ہی ہے۔ شیخ: اگر وہ طالب علم خود عقیدہ میں متمکن اور راسخ ہے تو اس کے لئے اس بدعتی سے علم حاصل کرنا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔ (١)

علامہ بکر ابوزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جہالت کے باپ "بدعتی" سے بچو جسے عقیدہ کی گمراہی چھوگئی ہو، اور خرافات کے بادلوں نے گھیر لیا ہو، جو خواہش نفس کو حاکم اور فیصل قرار دے اور اسے عقل و دانش اور لاجک کا نام دے اور نص سے اعراض کرے، اور کیا نص سے زیادہ بھی کوئی چیز عقل و دانش کے موافق ہے؟ اور جو ضعیف کو خوب مضبوطی سے تھام لے اور صحیح سے دور بھاگے، انہیں اہل شبہات اور اہل اہواء بھی کہا جاتا ہے، اس لئے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ بدعتیوں کو "اصاغر" کا نام دیتے تھے۔۔۔ لہذا اے طالب علم! اگر تمہیں اپنے معالے میں وسعت اور اختیار ہو تو کسی بدعتی سے علم نہ لینا: یعنی رافضی، یا خارجی، یا قدری (تقدیر کے منکر) یا قبر پرست وغیرہ سے علم حاصل نہ کرنا۔۔۔ کیونکہ جب تک تم بدعتیوں اور ان کی بدعات سے قطع تعلق نہ کرلو ہرگز ان لوگوں کا مقام نہی پاسکتے جو دین میں صحیح العقیدہ ہوں، اللہ سے ان کا تعلق مضبوط اور پائیدار ہو، وہ صواب دید اور سنت واثر کے پیروکار ہوں۔

سیر و سوانح اور اعتصام بالسنہ کی کتابیں اہلسنت کی بدعت سے نفرت، نیز بدعتیوں سے دوری ولا تعلقی کے واقعات سے بھری پڑی ہیں، جیسے ایک صحت مند شخص خارش زدہ مریض سے دور بھاگتا ہے، اس سلسلے میں اہل سنت کے بے شمار قصص اور

(١)(سلسلۃ الہدی والنور الشریط: التاسع والسبعون ٧٩، https://youtu.be/R9yEo6YmYzg)۔

واقعات ہیں جن کی شرح طوالت کا باعث ہو گی، البتہ یہاں اس بارے میں چند بنیادی تحریروں کی طرف اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

چنانچہ سلف صالحین رحمہم اللہ بدعتیوں کی توہین و تحقیر کرنا، اور بدعتی اور اس کی بدعات کی تردید و انکار کرنا باعث اجر وثواب سمجھتے تھے، نیز بدعتیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، ان سے مشورہ کرنے اور ان کے ساتھ کھانے پینے سے روکتے اور چوکنا کرتے تھے... اور بعض سلف بدعتی کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ چھوڑ کر چلے جایا کرتے تھے، خود علامہ محمد بن ابراہیم آل شیخ (متوفی ۱۳۸۹ھ) رحمہ اللہ کو بدعتی کی نماز جنازہ سے پیچھے ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

اور بعض سلف بدعتیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے، اور ان کی بدعتیں بیان کرنے سے بھی روکتے تھے، کیونکہ انسانی دل کمزور ہیں اور شبہات اچک لینے والے ہیں۔... نیز سلف صالحین بدعتیوں کو اپنی مجلسوں سے دھتکار دیا کرتے تھے، جیسا کہ استواء سے متعلق سوال کرنے والے کے ساتھ امام مالک رحمہ اللہ کے واقعہ میں ہے، اور اس میں ان کے مشہور و معروف جواب کے بعد ذکر ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ تم بدعتی ہو" اور پھر آپ نے حکم دیا، چنانچہ اسے وہاں سے نکال بھگایا گیا۔ الغرض بدعتیوں سے نفرت اور ان کا بائیکاٹ کرنے کے بابت سلف کے واقعات بکثرت ہیں، تاکہ ان کے شر سے بچاؤ ہو، ان کی بدعتوں کے پھیلنے پر لگام لگے، اور ان کی دل شکنی ہو تاکہ وہ بدعات کی نشر و اشاعت سے کمزور ہو جائیں، اور اس لئے بھی کہ ایک متبع سنت کا بدعتی کے ساتھ رہنا سہنا مبتدی طالب علم اور عام آدمی کے نزدیک اس کا تزکیہ ہے۔ اور عامی "عمی" (یعنی اندھے پن) سے مشتق ہے، اور اندھا آدمی عام طور پر اپنے رہبر کے ہاتھ کے سہارے پر ہوتا ہے۔

مصطلح الحدیث، آداب طلب علم اور احکام جرح و تعدیل وغیرہ کی کتابوں میں ہمیں اس سلسلہ میں بہت سارے واقعات نظر آتے ہیں۔

لہٰذا اے طالب علم! سلف کے نقش قدم پر رہ کر سلفی بنو، اور بدعتیوں سے چوکنا رہو کہ کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں، کیونکہ وہ اچکنے اور جھپٹنے کی راہیں بناتے اور ہموار کرتے ہیں، اور عسل (شہد) جیسی شیریں گفتگو - حالانکہ وہ "عسل" شہد نہیں بلکہ اس کا الٹا "لسع" ڈسنا اور ڈنک مارنا ہوتا ہے - زار و قطار آنسو، حسین لباس، افکار و خیالات کی برانگیختگی، کرامات کی دھونس، ہاتھوں کی چٹائی اور کندھوں کی چومائی وغیرہ کے ذریعے انہیں اپنا گرویدہ اور غلام بناتے ہیں۔۔۔ حالانکہ اس کے پیچھے

بدعت کی آگ اور فتنہ کے شعلہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا، وہ تمہارے دل میں اس کی آبیاری کرتا ہے اور تمہیں اپنے دام فریب میں پھانستا ہے!!! اللہ کی قسم ایک اندھا اندھوں کی قیادت ورہنمائی کبھی نہیں کرسکتا!!!۔۔۔

اور (اے طالب علم) میں نے یہاں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ تمہارے عقیدہ، عقیدہ اہل سنت وجماعت کی بنیادوں میں سے ہے، اور ان میں سے بعض باتیں سلفی عقیدہ پر تصنیف کی گئی شیخ الاسلام ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمن الصابونی رحمہ اللہ کی کتاب (عقیدۃ السلف أصحاب الحدیث) میں مرقوم ہیں۔۔۔[۱]

علامہ بکر ابوزید رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا باتوں کی شرح کرتے ہوئے امام ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مصنف کی باتوں کا ظاہری مفہوم یہ کہ بدعتی سے کسی بھی قسم کا علم حاصل نہیں کیا جائے گا، حتی کہ اگر اس کا تعلق اس کی بدعت سے نہ ہو تب بھی، مثال کے طور پر: اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا شخص ہو جو بدعتی ہو لیکن وہ علوم عربیہ یعنی بلاغہ، نحو اور صرف میں مضبوط ہو تو کیا ہم اس کے پاس بیٹھیں اور اس سے وہ علم سیکھیں جس میں وہ مضبوط ہے؟ یا اس کو چھوڑ دیں اور اس سے دور رہیں؟

شیخ کے کلام کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ ہم اس کی مجلس میں نہ بیٹھیں؛ کیونکہ اس سے دو قسم کی خرابی لازم آئے گی۔

پہلی خرابی: یہ ہوگی کہ وہ بدعتی خود فریبی میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ سمجھنے لگے گا وہ حق پر ہے۔ (پھر وہ کبھی رجوع کرنے کے بارے میں نہیں سوچے گا بلکہ مزید اپنی بدعت میں متحرک ہو جائے گا جیسا کہ انجینئر مرزا جہلمی جیسے لوگوں کا حال ہے جو اپنے فالورز سبسکرائبرز اور ویوز کی وجہ سے خود فریبی میں مبتلا ہیں اور انہی چیزوں کو حق پر ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں)۔

دوسری خرابی: یہ ہوگی کہ لوگ اس سے دھوکہ کھا جائیں گے؛ جب وہ دیکھیں کہ طلبہ علم اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور اس سے علم حاصل کرتے ہیں، اور ان پڑھ انسان تو علم نحو اور علم عقیدہ میں تفریق نہیں کرپائے گا، اس لئے ہمارا موقف یہ ہے کہ انسان مطلقاً کسی بھی قسم کے بدعتیوں اور خواہش پرستوں کے پاس نہ بیٹھے، یہاں تک کہ مثال کے طور پر اگر اسے عربی زبان بلاغت اور صرف وغیرہ کا علم اس بدعتی کے علاوہ کسی اور کے پاس نہ ملے تب بھی! یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے حق میں اس

---

(۱) (حلیۃ طالب العلم ص: ۳۰-۴۵، طالب علم کا زیور ترجمہ شیخ عنایت اللہ مدنی)۔

سے بہتر کرے گا؛ کیونکہ بلاشبہ طلبہ کے ان کے پاس آنے جانے سے وہ بذات خود غرور اور خود فریبی میں مبتلا ہوں گے اور لوگ بھی ان سے دھوکہ کھا جائیں گے۔

اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ: کیا کسی بدعتی استاد سے قرآن پڑھنا جائز ہے؟ جواب: ایسے استاد سے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (اسی طرح کا فتویٰ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے بھی دیا ہے)۔[1]

علامہ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: اگر کوئی طالب علم (یا عالم) کسی بدعت کا قائل ہو، اور اس کی دعوت دے، جبکہ اس کے پاس فقہ وحدیث کا بھی علم ہو، تو کیا اس کی بدعت کے سبب اس کا علمِ حدیث وفقہ ساقط اور غیر معتبر ہو جائے گا؟ اور اسے مطلق طور پر قابل اعتماد نہیں شمار کیا جائے گا؟

جواب: جی ہاں، اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اگر وہ بدعتی ہو اور اپنی بدعات کا اعلانیہ مرتکب اور پرچارک ہو، تو اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اس سے علم حاصل کیا جائے گا، کیونکہ جب اس کی شاگردی اپنائی جائے گی تو شاگرد اپنے استاذ اور معلم سے متاثر ہو جائے گا، لہٰذا بدعتیوں سے دور رہنا واجب ہے، سلف صالحین رحمہم اللہ بدعتیوں کی ہم نشینی، ان سے ملاقات اور ان سے ملنے جلنے سے منع کیا کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں ان کا شر وفساد ہم نشینوں اور ملنے جلنے والوں میں سرایت نہ کر جائے۔[2]

مزید آپ سے سوال کیا گیا کہ: ایسے استاد کے پاس علم حاصل کرنے کا کیا حکم ہے جس کا اسماء وصفات کے باب میں اہل سنت وجماعت سے اختلاف ہو؟

تو آپ نے جواب دیا: ایسے مدرس کا انتخاب کرنا ضروری ہے جو اپنے عقیدہ اور علم کے اعتبار سے درست اور مستقیم ہو، اور اگر یہ ممکن نہ ہو اور آپ کو کوئی ایسا مدرس ملے جس کے پاس مثال کے طور پر فقہ یا نحو یا ان جیسے دیگر علوم کی معرفت ہو جن

---

(۱) (شرح حلیۃ طالب العلم لابن عثیمین ص: ۱۳۸)۔

(۲) (الأجوبۃ المفیدۃ عن أسئلۃ المناہج الجدیدۃ للفوزان ص: ۱۶۶)۔

کا تعلق عقیدہ سے نہیں ہے، تو جن علوم میں وہ اچھا ہے آپ کے لئے اس سے ان علوم کے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن عقیدہ آپ بہر حال صحیح عقیدہ والوں سے ہی پڑھیں۔[۱]

شیخ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علم صرف صحیح منہج اور مستقیم فکر کے حامل علمائے کرام سے ہی حاصل کرنا چاہئے، لیکن اگر کہیں صحیح المنہج اہل علم نہ ہوں تو ضرورت اور مجبوری کی صورت میں امی اور جاہل رہنے کے بجائے بدعتیوں سے ایسے علوم سیکھنا جائز ہے جن کا تعلق عقیدہ سے نہ ہو جیسے نحو صرف اور فقہ وغیرہ۔

(۱)(الأجوبة المفيدة عن أسئلة المناهج الجديدة للفوزان ص:۱۶۵)۔

عبدالعزیز یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

لفظ "منہج" پر اعتراض اور اس کے جوابات[۱] (قسط اول)

اعدائے سلفیت نے ہر زمانے میں منہج سلف کو ہدف تنقید بنانے کی کوشش کی ہے، آئے دن نت نئے الزامات تراشتے رہتے ہیں، انہیں میں سے ایک معاصر شبہ یہ بھی ہے کہ "کلمہ "منہج" عصر حاضر کی پیداوار ہے، اس کا وجود پہلے نہیں تھا، اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے، بلکہ اس کے بغیر بھی ہمارا دین وایمان صحیح سالم رہ سکتا ہے"!

عربی کا ایک مقولہ ہے: "من جهل الشيء عاداه" کہ جب کوئی کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے تو وہ اس کا دشمن بن جاتا ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات اس کے وجود کا بھی انکار کر بیٹھتا ہے، اور چونکہ وہ دوسروں کو اپنی طرح ہی سمجھتا ہے تو اس لئے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ جس چیز سے میں خود ناواقف ہوں اس سے دوسرے لوگ بدرجہ اولی ناواقف ہوں گے۔ لیکن ظاہر ہے اس طرح کے فاسد گمان سے حقیقت بدلتی ہے، اور نہ ہی حق بات چھپتی ہے۔

ویسے تو یہ شبہ "تار عنکبوت" (مکڑی کے جال) کی مانند اس قدر بودہ اور کمزور ہے کہ اس کا جواب دینے اور رد کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن چونکہ مشار الیہ شخصیت کو جاہل عوام اور طلبہ علم کے یہاں تھوڑی سی مقبولیت حاصل ہو چکی ہے اس لئے ان کی مذکورہ جہالت کے اوپر سے پردہ اٹھانا ضروری ہے تاکہ متلاشیان حق پر حقیقت عیاں ہو جائے اور صحیح و درست منہج سے واقف ہو سکیں، اسی غرض سے چند نکات کی صورت میں اس کا جواب درج ذیل ہے:

پہلا نکتہ: کلمہ "منہج" کا معنی ومفہوم:

یہ کلمہ نَهَجَ، ينهَج، نهجًا، ونهوجًا سے ماخوذ ہے جس کا معنی واضح، ظاہر، نمایاں اور عیاں ہونا ہے۔ اور نَهْجٌ، منهج، منهاج سب ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ ہے: **سیدھا راستہ جو بالکل واضح وروشن ہو۔** یہی معنی عربی لغت کی کتابوں میں موجود ہے۔

---

(۱) مذکورہ اعتراض صوبہ مغربی بنگال کے بنگلہ زبان کے معروف ومشہور مقرر نے کیا ہے جو اہل حدیث کے جلسوں اور محفلوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں، یہ خود کو بظاہر اہل حدیث باور کراتے ہیں لیکن حقیقت میں سلفی منہج کا مذاق اڑاتے ہیں، شکوک وشبہات پیدا کرکے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہمارے مابین رہ کر ہمیں ہی نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ شخص ایک خاص گروپ کی طرف انتساب رکھتے ہیں جس کے بہت سارے شذوذ وتفردات اور سلفی منہج کے کئی اہم اصول وضوابط پر اس کے شبہات ہیں۔

ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں: (نَهَجَ) النُّونُ وَالْهَاءُ وَالْجِيمُ أَصْلَانِ مُتَبَايِنَانِ: الْأَوَّلُ النَّهْجُ، الطَّرِيقُ. وَنَهَجَ لِي الْأَمْرَ: أَوْضَحَهُ. وَهُوَ مُسْتَقِيمُ الْمِنْهَاجِ. وَالْمَنْهَجُ: الطَّرِيقُ أَيْضًا، وَالْجَمْعُ الْمَنَاهِجُ. وَالْآخَرُ الِانْقِطَاعُ... إلخ۔[1]

"نون، ہاء، جیم دو مختلف معانی والا مادہ ہے، ایک ہے النهج بمعنی راستہ۔ جیسے کہا جاتا ہے: نهج لي الأمر: اس نے میرے لئے معاملے کو واضح کیا۔"وهو مستقيم المنهاج": وہ سیدھے راستے پر ہے۔ اور منهج "طریق" کے معنی میں بھی آتا ہے اس کی جمع مناهج ہے۔، جبکہ دوسرا معنی: انقطاع ہے۔۔۔" الخ

نیز ایک اصولی قاعدے کے مطابق: "لا مشاحة في الاصطلاح، والألفاظ أوعية المعاني"۔ "اصطلاحات کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، اور الفاظ تو صرف معانی کے قالب ہیں"۔

یعنی الفاظ کا اعتبار ان کے حقائق و معانی سے ہوتا ہے ان کے ظاہر سے نہیں، اگر معانی صحیح و مقبول ہوں تو مصلحت کے تحت ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں! اگر ان کے معانی فاسد یا قبیح ہوں تو ان کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

اب اس قاعدے کے روسے کیا "منہج سلف" کے استعمال میں کوئی خرابی ہے؟ جبکہ اس کے استعمال سے مفاسد تو کجا، کئی نیک مقاصد حاصل ہوتے ہیں جیسے: فرقہ ناجیہ کا تعارف کرانا، اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت کے درمیان فرق کرنا، ان کے امتیازی اوصاف کو اجاگر کرنا وغیرہ۔

ان مقاصد کو دیگر الفاظ کے ذریعہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے جیسے: صراط، طریق، مسلک، مذہب وغیرہ، الغرض جو بھی لفظ "ما أنا عليه اليوم وأصحابي" (یعنی جس منہج پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام گامزن تھے) کے معنی و مفہوم کو ادا کرے اس کا استعمال درست ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو علوم شریعت اور ان سے متعلق دیگر علوم مثلا: علوم آلہ اور علوم لغہ کی مصطلحات کا علم ہو وہ مذکورہ قاعدہ کا انکار نہیں کر سکتا۔

یہاں اس بات کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ مصطلحات کی تعریف اہل اصطلاح ہی سے اخذ کرنا لازمی ہے، تبھی جاکر انہیں مقبولیت حاصل ہوں گی، ورنہ اگر کوئی خود سے ان کے معانی و مفاہیم گڑھ کر پیش کرے تو بلا شبہ یہ نا قابل قبول ہے۔

تو کیا موصوف صاحب اپنے آپ کو اہل اصطلاح میں سے سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو کم از کم اپنی رائے کی تائید واثبات میں اہل اصطلاح کا کلام ہی پیش کر دیں!

---

(۱) مقاییس اللغۃ: (۵/۳۶۱).

ان کی آسانی کے لئے بتادوں کہ یہاں اہل اصطلاح سے مراد وہ کبار علمائے کرام ہیں جو حقیقی معنی میں منہج سلف کی نمائندگی کرتے ہیں مثال کے طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردان، جیسے امام ابن القیم، حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر وغیرہم، اسی طرح شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب اور ان کے شاگردان، علمائے دعوت اصلاحیہ، اور برصغیر کے اہلحدیث علمائے کرام۔

حقیقت تو یہ ہے کہ موصوف کو کلمہ "منہج" سے کوئی تکلیف نہیں ہے، تکلیف تو اس "منہج" کے پیر کاروں سے ہے، اسی لئے ان کی طرف سے صادر ہونے والے اقوال واعمال یا افکار وآراء ان کو ہضم نہیں ہوتے، چہ جائے کہ حق ان کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر سلفی حضرات کلمہ "منہج" کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنے لگیں گے تو یہ اس پر بھی اعتراض کریں گے۔

دوسرا نکتہ: کلمہ "منہاج" کا قرآن میں ذکر:

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ((لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا))(١)(٢)

راغب اصفہانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "النَّهْجُ: الطريقُ الوَاضِحُ، ونَهَجَ الأمْرُ وأَنْهَجَ: وَضَحَ، ومَنْهَجُ الطَّرِيقِ ومِنْهَاجُهُ. قال تعالى: لِكُلٍّ جَعَلْنا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهاجًا"۔(٣)

"النهج: واضح راستہ کو کہتے ہیں، ونهج الأمر وأنهج: بمعنی واضح ہونا، اور اس معنی میں منہج ومنہاج دونوں مستعمل ہیں" پھر انہوں نے مذکورہ آیت کا ذکر کیا۔

عن عبد الله بن عباس: أنّ نافع بن الأزرق قال له: أخبرني عن قوله تعالى: ﴿شرعة ومنهاجا﴾. قال: الشِّرْعةُ: الدين. والمنهاجُ: الطريق. قال: وهل تعرفُ العرب ذلك؟ قال: نعم، أما سمعتَ أبا سفيان بن الحارث بن

---

(١) پہلے نکتے میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ "نہج، منہج، اور منہاج" کا لغوی اعتبار سے ایک ہی معنی ومفہوم ہے۔

(٢) سورۃ مائدہ: آیت نمبر: (٤٨)۔

(٣) المفردات فی غریب القرآن۔ ص: (٨٢٥)۔

عبد المطلب رضي الله عنه وهو يقول: لقد نَطَقَ المأمونُ بالصدقِ والهدى وبيَّنَ للإسلام دينًا ومَنهَجا، يعني به: النبي ﷺ... "۔(۱)

نافع بن الازرق سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ﴿شرعة ومنهاجا﴾ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "شرعة" کا معنی دین ہے، اور "منهاج" کا معنی راستہ ہے" نافع نے کہا: کیا عرب اس معنی کو جانتے ہیں؟ تو ابن عباس نے فرمایا: ہاں! کیا تم نے ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے ہوئے نہیں سنا کہ: بے شک انہوں نے ہدایت وسچائی کی طرف دعوت دی اور اسلام کو بحیثیت دین اور منہج واضح کیا"۔

وعن عبد الله بن عباس أيضا –من طريق التميمي– في قوله: ﴿شرعة ومنهاجا﴾، قال: سبيلًا، وسُنَّةً. (۲)

اور ایک روایت میں ابن عباس فرماتے ہیں: ﴿شرعة ومنهاجا﴾ کے معنی سبیل وسنت کے ہیں۔

ابن القیم رحمہ اللہ ان دونوں روایتوں کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «هذا التفسير يحتاج إلى تفسير، فالسبيل: الطريق، وهي المنهاج، والسُّنَّة: الشرعة، وهي تفاصيل الطريق، وحزوناته، وكيفية المسير فيه، وأوقات المسير، وعلى هذا فقوله: سبيلًا وسنة. يكون السبيل: المنهاج، والسُّنَّة: الشرعة... إلخ۔(۳)

"ابن عباس کی یہ تفسیر مزید توضیح کا متقاضی ہے، سبیل سے مراد راستہ ہے اور یہی منهاج ہے، اور سنة سے مراد شریعت ہے جو کہ راستے کی (پوری) تفصیلات، اس کے اتار چڑھاؤ، اس پر چلنے کی کیفیت، اور چلنے کے اوقات کو شامل ہے، گویا ابن عباس "سبيل و سنة" سے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سبيل کا معنی منہاج اور سنة کا معنی شریعت ہے"۔ اور یہی تفسیر: عکرمہ،

(۱) الإتقان: (۶۹/۲)۔

(۲) تفسیر ابن جریر: (۴۹۶/۸)، تفسیر ابن ابی حاتم: (۱۱۵۱/۴، ۱۱۵۲)، (۶۴۸۲، ۶۴۸۵)۔

(۳) شفاء العلیل: (۲۷/۱)۔

مجاہد، قتادہ، حسن بصری، عطاء خراسانی، اسماعیل سدی، ضحاک، مقاتل اور ابو اسحاق ہمدانی وغیرہم رحمھم اللہ جیسے ائمہ سلف کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے۔(۱)

امام لالکائی اپنی کتاب میں ایک باب قائم کرتے ہیں جس کا عنوان ہے: " سِيَاقُ مَا فُسِّرَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عز وجل مِنَ الْآيَاتِ فِي الْحَثِّ عَلَى الِاتِّبَاعِ وَأَنَّ سَبِيلَ الْحَقِّ هُوَ السُّنَّةُ وَالْجَمَاعَةُ"۔

یہ ان قرآنی آیات سے متعلق باب ہے جن کی تفسیر اتباع سنت کی ترغیب سے گئی ہے، اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ برحق منہج اہل سنت والجماعت کا منہج ہے"۔ اس باب میں سب سے پہلے انہوں نے یہ آیت اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی تفسیر ذکر کی ہے۔

اب جب "منہج" کا بھی یہی معنی ہے تو بھلا کیسے اس کے استعمال میں حرج ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہی "الصراط المستقیم" ہے، جس کی اہمیت کی بنا پر اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس کا ذکر بتیس (۳۲) مرتبہ کیا ہے، وہی "الصراط السوي" "الطریق المستقیم" "سواء السبیل" "سبیل الرشاد" بھی ہے جن کا ذکر قرآن کریم کی متعدد آیات میں آیا ہے۔ سبیل کا لفظ اللہ کی طرف اضافے کے ساتھ قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ اور بلاشک اللہ کا راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور یہی راستہ صحابہ کرام وسلف عظام کا بھی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾۔(۲)

"(اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ یہی (دین اسلام) ہی میرا منہج ہے، میں اور میرے ماننے والے اللہ کی طرف -پورے یقین واعتماد کے ساتھ اور دلیل وبرہان کی روشنی میں- دعوت دیتے ہیں، اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں"۔

---

(۱) دیکھئے تفسیر ابن أبی حاتم ۱۱۵۱/۴ (۶۴۸۲، ۶۴۸۵)۔ تفسیر مجاہد ص ۳۱۰، تفسیر ابن جریر ۴۹۷/۸-۴۹۸، تفسیر ابن أبی حاتم ۱۱۵۱/۴-۱۱۵۲۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان ۴۸۱/۱-۴۸۲۔ الدر المنثور ۹۶/۳۔

(۲)[یوسف ۱۰۸]۔

اور فرمایا: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا﴾۔ (۱)

"اور جس شخص کے نزدیک راہ ہدایت واضح ہو جانے کے باوجود وہ رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ کو اختیار کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ اپنا پیٹھ پھیرنا چاہے، پھر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے"۔

یہ آیت اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ منہج سلف کی اتباع واجب ہے، اس لئے کہ مومنین میں سب سے پہلے صحابہ آتے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کی اتباع وپیروی کرنے والے ہیں۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ويتبع غير سبيل المؤمنين"، يقول: ويتبع طريقًا غير طريق أهل التصديق، ويسلك منهاجًا غير منهاجهم" اهـ۔ (۲)

"ويتبع غير سبيل المؤمنين" سے مراد یہ ہے کہ تصدیق کرنے والوں کی راہ چھوڑ کر دوسروں کی راہ کی اتباع کرے، اور ان کا منہج چھوڑ کر دوسرا منہج اپنائے"۔

یہاں غور کریں ابن جریر رحمہ اللہ نے سلف کے راستے کو "منہاج" سے تعبیر کیا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: "وَالْآيَةُ وَإِنْ نَزَلَتْ فِي سَارِقِ الدِّرْعِ أَوْ غَيْرِهِ فَهِيَ عَامَّةٌ فِي كُلِّ مَنْ خَالَفَ طَرِيقَ الْمُسْلِمِينَ"۔ (۳)

---

(۱)[النساء:۱۱۵]۔

(۲) تفسیر ابن جریر: (۷/۴۸۴)۔

(۳) تفسیر قرطبی: (۵/۳۸۵)۔

"گرچہ یہ آیت زرہ چور یا کسی اور پر نازل ہوئی ہو لیکن اس کا حکم عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو مسلمانوں کے راستے کی مخالفت کرے"۔

اور ابو السعود عمادی رحمہ اللہ اس راستے کے اتباع کی صورت و کیفیت بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر کی کتاب میں لکھتے ہیں: "يتبع غير سبيل المؤمنين أيْ: غَيْرَ ما هم مُسْتَمِرُّونَ عَلَيْهِ مِن عَقْدٍ وعَمَلٍ، وهو الدِّينُ القَيِّمُ"۔[۱]

"يتبع غير سبيل المؤمنين" کا معنی یہ ہے کہ جس عقیدہ و عمل پر مومنوں کی جماعت مسلسل گامزن ہے اسے چھوڑ دے؛ جو کہ اصل میں دین اسلام ہے"۔

شہاب خفاجي تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں[۲]: "يتناول ما هو مقتضى الإيمان فيما نحن فيه فسبيل المؤمنين وإن فسر بما هم عليه من الدين يعم الأصول والفروع؛ الكل والبعض"۔[۳]

"(مومنوں کا منہج) ایمان کے ان تمام تقاضوں کو شامل ہے جن پر ہم قائم ہیں، اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد دین ہے لیکن یہ اس کے اصول و فروع اور ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے"۔

اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إنَّها تَدُلُّ عَلى وُجُوبِ اتِّباعِ سَبِيلِ المُؤْمِنِينَ وتَحْرِيمِ اتِّباعِ غَيْرِ سَبِيلِهِمْ" ۔ ثم قال: مَن شاقَّهُ (أي: الرسول) فَقَدِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ، وهَذا ظاهِرٌ، ومَنِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ فَقَدْ شاقَّهُ أيْضًا، فَإنَّهُ قَدْ جَعَلَ لَهُ مَدْخَلًا فِي الوَعِيدِ، فَدَلَّ عَلى أنَّهُ وصْفٌ مُؤَثِّرٌ فِي الذَّمِّ، فَمَن خَرَجَ عَنْ إجْماعِهِمْ فَقَدِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ قَطْعًا، والآيَةُ تُوجِبُ ذَمَّ ذَلِكَ.[۴]

---

(۱) تفسیر ابی السعود عمادی: (۲/۲۳۲)۔

(۲)(۳/۱۷۷)۔

(۳) حاشیہ شہاب علی تفسیر بیضاوی ۳/۱۷۸۔

(۴) مجموع الفتاوی: (۱۹/۱۹۳-۱۹۴)۔

"یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ مومنوں کی راہ کی اتباع واجب ہے، اور ان کے علاوہ کسی اور کی راہ اختیار کرنا حرام ہے"۔ مزید انہوں نے کہا: "جس نے رسول کی مخالفت کی اس نے مومنوں کی راہ کی مخالفت کی، یہ تو بہر حال واضح ہے، لیکن یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ جس نے مومنوں کی راہ کی مخالفت کی اس نے رسول کی مخالفت کی؛ کیونکہ اس پر بھی وعید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک مذمت کی صورت ہے، اسی لئے جس نے مومنوں کے اجماع کی مخالفت کی اس نے قطعًا ان کی راہ کی مخالفت کی، اور مذکورہ آیت سے اس کی مذمت لازم آتی ہے۔"۔ اور منہج سلف سے مراد ان کا اجماع واتفاق ہے۔(۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لِأَنَّهُمْ مُتَمَسِّكُونَ بِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ ﷺ. وَمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ". (۲)

"(منہج سلف پر چلنے والوں کو اہل سنت والجماعت اس لئے کہتے ہیں) کہ یہ لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھتے ہیں اور اس منہج پر چلتے ہیں جس پر مہاجرین وانصار اور ان کی کما حقہ اتباع کرنے والوں کا اتفاق ہے"

ابن کثیر رحمہ اللہ اجماع کی مخالفت کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قَدْ تَكُونُ الْمُخَالَفَةُ لِنَصِّ الشَّارِعِ، وَقَدْ تَكُونُ لِمَا أَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ، فِيمَا عُلِمَ اتِّفَاقُهُمْ عَلَيْهِ تَحْقِيقًا، فَإِنَّهُ قَدْ ضُمِنَت لَهُمُ الْعِصْمَةُ فِي اجْتِمَاعِهِمْ مِنَ الْخَطَأِ، ---- وَقَدْ وَرَدَتْ فِي ذَلِكَ أَحَادِيثُ صَحِيحَةٌ كَثِيرَةٌ، .... ثم قال: وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنِ ادَّعَى تَوَاتُرَ مَعْنَاهَا، وَالَّذِي عَوَّلَ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ، رَحِمَهُ اللَّهُ، فِي الِاحْتِجَاجِ عَلَى كَوْنِ الْإِجْمَاعِ حُجَّةً تَحْرُم مُخَالَفَتُهُ هَذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ، بَعْدَ التَّرَوِّي وَالْفِكْرِ الطَّوِيلِ. وَهُوَ مِنْ أَحْسَنِ الِاسْتِنْبَاطَاتِ وَأَقْوَاهَا، وَإِنْ كَانَ بَعْضُهُمْ قَدِ اسْتَشْكَلَ ذَلِكَ وَاسْتَبْعَدَ الدِّلَالَةَ مِنْهَا عَلَى ذَلِكَ، وَلِهَذَا تَوَعَّدَ تَعَالَى عَلَى ذَلِكَ بِقَوْلِهِ: ﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾. (۳)

"(اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ) مخالفت کبھی نص شرعی کی ہوتی ہے اور کبھی اجماع کی یعنی جس مسئلہ کے بارے میں تحقیق کے بعد معلوم ہو کہ اس پر امت محمدیہ کا اتفاق ہے (اور پھر کوئی اس کی مخالفت کرے تو یہ بھی اس آیت میں شامل ہے)۔

---

(۱) شرح فتوی حمویہ از عبد الرحمن سلمی: (۲/۳،۳/۲)۔

(۲) مجموع الفتاوی ۳/۳۷۵۔

(۳) تفسیر ابن کثیر: (۲/۴۱۲-۴۱۳)

اور یہ مذموم اس لئے ہے کہ امت اپنے اجماع میں معصوم عن الخطا ہے۔۔۔ اس سلسلے میں بے شمار صحیح احادیث وارد ہیں۔۔۔ بلکہ بعض علماء نے ان احادیث کو معناً متواتر قرار دیا ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بہت ہی غور وفکر کرنے کے بعد اجماع کی حجیت اور اس کی مخالفت کی حرمت پر جس دلیل کو معتمد و معتبر مانا ہے وہ یہی آیت ہے، اور ان کا یہ استدلال سب سے بہتر اور قوی استدلال ہے، گرچہ بعض علماء اس استدلال پر اشکال ظاہر کرتے ہیں (لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال درست ہے) اس لئے کہ اللہ نے اجماع کی مخالفت پر (اس آیت کے اخیر میں) وعید کی دھمکی دی ہے۔۔۔"۔

اسی لیے جس شخص نے بھی سلف صالحین کے منہج کی مخالفت کی گویا اس نے "الجزاء من جنس العمل" (جیسا عمل ویسا بدلہ) کے قاعدے کے مطابق اپنے لئے جہنم کا راستہ ہموار کر لیا، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: وَجَعْلَ النَّارَ مَصِيرَهُ فِي الْآخِرَةِ، لِأَنَّ مَنْ خَرَجَ عَنِ الْهُدَى لَمْ يَكُنْ لَهُ طَرِيقٌ إِلَّا إِلَى النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ. مِنْ دُونِ اللهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾.(۱)

"ایسے لوگوں کا ٹھکانا اللہ نے جہنم اس لئے قرار دیا کیوں کہ جو لوگ راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جہنم کے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں بچتا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ٱحْشُرُوا۟ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ وَأَزْوَٰجَهُمْ وَمَا كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ۔ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَٱهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْجَحِيمِ﴾۔(۲)

"(اللہ کا حکم ہوگا) ظالموں کو اور ان کے ہمراہیوں کو اور ان معبودوں کو بھی جمع کرو جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، پس ان سب کو اکٹھا جہنم کی راہ دکھا دو!" اھ۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالی نے منہج سلف کی اتباع کو واجب قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿...وَٱتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ...﴾۔(۳) "اور اس کی راہ کی پیروی کرو جس نے میری طرف رجوع کیا"۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: (۲/۴۱۳)۔

(۲) [الصافات ۲۲-۲۳]۔

(۳) [لقمان ۱۵]۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہیں: "يَعْنِي: الْمُؤْمِنِينَ"۔[۱] "مراد مومنوں کی راہ ہے"۔ جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت میں بات گزری۔

اور ابن عطیہ رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہیں:"وصية لجميع العالم كأن المأمور الإنسان،۔۔۔۔ وهذه سبيل الأنبياء والصالحين"۔[۲]

"یہ آیت دنیاوالوں کے لئے وصیت ہے گویا کہ ہر ایک انسان کو اس میں مخاطب کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور یہاں سبیل سے مراد انبیاء وصالحین کا راستہ ہے"۔[۳]

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قاضی شریح کو لکھتے ہیں:"أن اقض بما في كتاب الله، فإن لم يكن في كتاب الله فبسنة رسول الله – ﷺ –، فإن لم يكن في سنة رسول الله فاقض بما قضى به الصالحون"۔[۴]

"قضاء وفیصلہ کرتے وقت سب سے پہلے کتاب اللہ میں دلیل ڈھونڈنا، اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنت رسول میں ڈھونڈنا، اور اگر سنت رسول میں بھی نہ ملے تو فیصلہ اسی طرح کرنا جس طرح "صالحین" نے کیا ہے"۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صالحین میں سب سے پہلے صحابہ آتے ہیں پھر ان کے بعد آنے والے وہ لوگ جو ان کی اتباع وپیروی کرتے ہیں۔

---

(۱)سابق مصدر: (۶/۳۳۷)۔

(۲)تفسیر ابن عطیہ ۴/۳۴۹۔

(۳)تفسیر ابن عطیہ: (۴/۳۴۹)۔

(۴)سنن النسائی برقم: (۵۳۹۹)، والإحکام لابن حزم: (۶/۷۸)، والاحادیث المختارۃ للضیاء: (۱/۲۳۸/۱۳۳)۔

بغوی رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہیں: "أَيْ: دِينَ مَنْ أَقْبَلَ إِلَى طَاعَتِي، وَهُوَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ".(۱)

"یعنی ان لوگوں کے دین کی اتباع کرو جو میری اطاعت وبندگی میں لگے رہتے ہیں یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کی"۔

اسی طرح ثعلبی رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہیں: "واسلَكَ طَرِيقَ مُحَمَّدٍ وأصْحابِهِ".(۲) "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے منہج پر چلو"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وكلٌّ من الصحابة مُنِيْب، فيجبُ اتباعُ سبيلِه، وأقوالُه واعتقاداتُه من أكبر سبيله، والدليل على أنهم منيبون: أن الله قد هداهم، وقد قال: ﴿وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾۔(۳)(۴)

"ہر ایک صحابی اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں میں سے ہیں، اسی لئے انکے منہج کی اتباع ضروری ہے، اور ان کے اقوال واعتقادات ہی ان کا منہج ہے، اور صحابہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں میں سے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے انہیں ہدایت دی ہے اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ اور جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اللہ اپنی راہ ہدایت کی توفیق دیتا ہے"۔

ذرا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس تفسیر پر غور کریں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس میں نور بھر دیا ہو، بس ایسے پاکیزہ دلوں کی ضرورت ہے جن کے اندر ان معانی کو قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔

اس باب کا خلاصہ عَبْدُ اللہ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما کا قول ہے: «مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ

(۱) تفسیر بغوی: (۲۸۸/۶)۔

(۲) تفسیر ثعلبی: (۳۱۳/۷)۔

(۳) [الشوری:۱۳].

(۴) تنبیہ الرجل العاقل علی تمویہ الجدل الباطل: (۵۴۲/۱ از ابن تیمیہ)۔

صلّى الله عليه وسلم وَنَقْلِ دِينِهِ، فَتَشَبَّهُوا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ»۔(۱)

"جو شخص کسی کی اتباع کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سلف صالحین کی اتباع کرے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں یہ امت کی سب سے بہتر جماعت ہیں، جو سب سے زیادہ نیک دل والے، سب سے زیادہ ذی علم، اور سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں، اس جماعت کو اللہ نے صحبت نبی، اور اپنے دین کو آگے پہنچانے کے لئے چن لیا ہے، پس تم ان کے اخلاق واطوار اور ان کے طریقہ و منہج کو لازم پکڑو، کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے لوگ ہیں، جو راہ راست پر قائم تھے"۔ یہی اثر عبد اللہ بن مسعود سے بھی روایت ہے۔(۲)

ان قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح کے بعد کیا موصوف یہ کہیں گے کہ کتاب اللہ میں موجود منہاج، صراط، طریق، سبیل جیسے الفاظ کی ضرورت نہیں ہے؟ نعوذ باللہ من ذلك۔

انسان کو کچھ کہنے سے پہلے اپنی باتوں پر غور وفکر کرنا چاہئے اور انہیں اچھی طرح ناپ تول لینا چاہئے تاکہ آگے چل کر افسوس وندامت کے ہاتھ نہ ملنا پڑے۔

تیسرا نکتہ: حدیث میں کلمہ "منہاج" کا ذکر۔

۱- عن حذيفة بن اليمان قال: قال رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم تكونُ النبوةُ فيكم ما شاء اللهُ أن تكونَ ثم يرفعُها إذا شاء أن يرفعَها ثم تكونُ خلافةٌ على منهاجِ النبوةِ فتكونُ ما شاء اللهُ أن تكونَ ثم يرفعُها إذا شاء أن

---

(۱) حلیۃ الأولیاء ۱/۳۰۵ از ابونعیم اصبہانی۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۹۴۷/۱۸۱۰ از ابن عبد البر۔

يرفعَها ثم تكونُ مُلكًا عاضًّا فتكونُ ما شاء اللهُ أن تكونَ ثم يرفعُها إذا شاء أن يرفعَها ثم تكونُ خلافةٌ على منهاجِ نبوةٍ ثم سكت"۔(۱)

"حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی جب تک چاہے گا تمہارے مابین نبوت قائم رکھے گا، پھر جب چاہے گا اسے اٹھا دے گا، نبوت ختم ہونے کے بعد خلافت آئے گی جو نبوی منہاج پر قائم ہوگی، اللہ تعالی جب تک چاہے گا یہ خلافت باقی رہے گی پھر جب چاہے گا اسے اٹھا دے گا، پھر ظالم قسم کی ملوکیت ظاہر ہوگی اللہ جب تک چاہے گا باقی رہے گی پھر جب چاہے گا اسے بھی اٹھا دے گا، اس کے بعد دوبارہ نبوی منہاج کے مطابق خلافت آئے گی" حذیفہ کہتے ہیں: یہاں آکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سلف صالحین کا منہج اور حدیث میں مذکور منہاج النبوۃ ایک ہی چیز ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے سلف عظام کے بارے میں یہ ہرگز گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے نبی کی راہ کی مخالفت ہے، بلکہ ایک مسلم کا یہ ٹھوس عقیدہ ہونا چاہئے کہ سلف صالحین ہمیشہ قرآن و سنت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے جس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے آنے اگلا نکتہ ملاحظہ فرمائیں۔۔

۲- ایک دوسری طویل حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ﷛ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"۔۔۔۔ثُمَّ يَكُونُ مِنْ بَعْدِكَ رَجُلٌ عَلَى مِنْهَاجِكَ، فَيَعْلُو وَيُعْلِيهِ اللهُ۔۔۔"۔ "تمہارے بعد ایک شخص (یعنی خلیفہ) آئے گا جو تمہارے نقش قدم پر چلے گا، وہ بلند درجے پے ہوگا، اللہ اس کے مقام کو اور بھی اونچا کر دے گا۔۔۔"۔(۲)

۳- ایک تیسری حدیث بھی موجود ہے جس میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے خواب کی تعبیر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا"۔۔۔«رَأَيْتَ خَيْرًا، أَمَّا الْمَنْهَجُ الْعَظِيمُ فَالْمَحْشَرُ، وَأَمَّا الطَّرِيقُ الَّتِي عَرَضَتْ عَنْ يَسَارِكَ فَطَرِيقُ النَّارِ وَلَسْتَ مِنْ أَهْلِهَا، وَأَمَّا الطَّرِيقُ الَّتِي عَرَضَتْ عَنْ يَمِينِكَ فَطَرِيقُ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔۔" الخ۔ "تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، جہاں وسیع وکشادہ راستہ کی بات ہے (جس کا ذکر تم نے کیا) وہ اَرض محشر ہے، اور

---

(۱) مسند احمد (۱۸۴۰۶)، مسند بزار (۲۷۹۶)، مسند طیالسی (۴۳۸)۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں مجمع الزوائد ۵/۱۹۱: "رجالہ ثقات" اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے تخریج ہدایۃ الرواۃ حدیث نمبر: ۵۳۰۶، شعیب ارنووط رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے تخریج المسند رقم الحدیث ۱۸۴۰۶۔

(۲) مسند احمد ۲۱۱۳/۲۱/۴، شعیب ارنووط رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، احمد شاکر رحمہ اللہ نے بھی اسے مسند احمد کی تحقیق میں صحیح کہا ہے ۵۲۳/۲۔

جو راستہ بائیں طرف تھا تو وہ جہنمیوں کا راستہ ہے اور تم ان میں سے نہیں ہو، اور جو راستہ تمہارے دائیں جانب تھا وہ جنتیوں کا راستہ ہے۔۔۔"الخ۔ (۱)

گرچہ یہاں لفظ منہج لغوی معنی میں ہے لیکن یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس لفظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام میں استعمال فرمایا ہے، اور شاید موصوف کو معلوم ہو گا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے سب فصیح وبلیغ انسان تھے حتی کہ انہوں نے خود اپنے بارے میں کہا" أنا أفصح العرب"، "أوتيت جوامع الكلم"تو کیا موصوف صاحب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کہنے کی جرأت کریں گے کہ اس لفظ کی ضرورت نہیں ہے؟!

---

(۱)اس حدیث کو انہیں الفاظ کے ساتھ ابن ماجہ ۳۹۲۰ نے ابن ابی شیبہ ۶/۱۷۸/۳۰۴۸۷ کے طریق سے ،اور احمد بن حنبل ۲۳۰۷۹،نسائی (سنن کبری) ۷۵۸۶،طبرانی ۳۹۳ اور ابن حبان ۷۱۶۶ نے دوسرے طریق سے روایت کی ہے۔ اس حدیث کو شعیب ارنووط نے مسند احمد کی تحقیق میں صحیح کہا ہے، بلکہ اس کا اصل صحیح بخاری ۳۸۱۳ و صحیح مسلم ۲۴۸۴ میں موجود ہے۔

محمد عمر صلاح الدین
جامعہ ملک سعود، ریاض

"سید قطب مالہ وماعلیہ" ایک تنقیدی جائزہ

آج سے چند ماہ قبل ہندوستان کی معروف دینی درسگاہ جامعۃ الفلاح بلریاگنج، اعظم گڑھ میں منصبِ تدریس سے وابستہ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ التحصیل مولانا ذکی الرحمان غازی مدنی صاحب کی کتاب موسوم بہ "سید قطب مالہ وماعلیہ" باصرہ نواز ہوئی۔ کتاب ہذا کو پڑھنے کے بعد اس کے مندرجات بحیثیت مجموعی راقم السطور کے لئے انتہائی قلق واضطراب کا باعث بنیں جن میں سے کچھ عبارتیں بطورِ نمونہ سطور ذیل میں انصاف پسند قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

تاہم اس سے قبل کتاب کے نام میں جو فریب دہی کا عنصر شعوری یا لاشعوری طور پر کارفرما ہے اس کا سامنے آنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ محترم غازی صاحب کی تصریح کے مطابق ان کی کتاب میں صرف "سید قطب کی تحریروں میں درج تکفیری خیالات پر نقد کیا گیا ہے اور تاریخ کے حوالے سے ان کی جانبداری پر بھی کلام ہوا ہے"(ص:۰۲)۔

محلِ اعتراض اینکہ موصوف نے اپنی کتاب کو "سید قطب مالہ وماعلیہ" کے نام سے موسوم کیا ہے اور موضوع تنقید صرف سید کے تکفیری افکار وآراء کے علاوہ دیگر چند ایک منحرفانہ نظریات ہیں جو اشارتاً تعارفِ کتب کے ضمن میں زیر بحث آئے ہیں، جس سے یہ معکوس تاثر ملتا ہے کہ گویا یہ کتاب سید قطب کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کے ذکر وبیان اور تجزیہ و تبصرہ پر مشتمل ہے اور ان کی شخصیت کے یہی اصل خدوخال اور حقیقی صورت حال ہے۔

جبکہ غازی صاحب کے علم میں یہ بات ہونی چاہیے کہ سید قطب کی جس کتاب "فی ظلال القرآن" کے حوالے سے انہوں نے اپنی کتاب میں متعدد تکفیری عبارتیں نقل کی ہیں، اسی کتاب کے بکھرے صفحات میں انکار حدیث کے جراثیم پائے جاتے ہیں، صفات الہیہ کی رکیک اور لچر پوچ تاویلات موجود ہیں، لفظوں کی بازی گری میں وحدت الوجود جیسے کفریہ اور شرکیہ عقیدے کی ترجمانی کی گئی ہے اور قرآن مجید کو اللہ کی خلقت وکاری گری کا مظہر باور کرایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی دیگر تحریروں میں بعض اجلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر رد وقدح اور طعن و تشنیع کے جملے کسے گئے ہیں، ان برگزیدہ ہستیوں کی رداء عظمت وتقدس کو تار تار کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے، حتی کہ جناب موسوی میں ادیبانہ بے احتیاطی کے

بدترین مظاہر تک دیکھنے کو ملتے ہیں۔اب ذرا غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے دیگر عقائد باطلہ سے لبریز قطبی لٹریچر سے ذرا بھی تعرض نہ کرنے کے باوصف سید قطب کی شخصیت کے مالہ وماعلیہ کو بیان کرنے کا جو غازی صاحب کا دعوی کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، اس کی جو حیثیت رہ جاتی ہے وہ ارباب عقل ودانش سے مخفی نہیں ہے۔اور کوئی بھی انصاف پسند انسان اسے بنظر استحسان دیکھ بھی نہیں سکتا ہے۔

بنابریں ہم مختصر لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کے اسم اور مسمی میں معقول مناسبت سرے سے ہی مفقود ہے۔لہٰذا اس کتاب کا نام کچھ اور تو دیا جاسکتا ہے البتہ "سید قطب مالہ وماعلیہ" کا نام اس کے مندرجات کے بموجب اس پر ہرگز منطبق نہیں ہو سکتا ہے۔

بادی النظر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے نام سے کچھ خاصا فرق نہیں پڑتا ہے۔تاہم اس حوالے سے جب ہم بنظر غائر اس کا جائزہ لیتے ہیں تو اس امر کا انکشاف بخوبی ہو جاتا ہے کہ مولف کتاب کی اس کارگزاری میں دراصل دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسا فریب نظر کا عنصر پنہاں ہے جو قاری کو یہ خاموش پیغام دیتا ہے کہ سید قطب کی شخصیت میں بحیثیت مجموعی صرف یہی تکفیری فکر ہی ایک ایسا نظریاتی انحراف ہے جو "جملہ معترضہ" کے طور پر ان کی فکری روانی میں آگئی ہے جنہیں موصوف غازی صاحب نے اپنی اس کتاب میں "ماعلیہ" کے ضمن میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ اس حوالے سے کہیں کہیں دفاعی پوزیشن میں ان کے بعض ایسے متضاد خیالات بھی مترشح ہوتے ہیں جن پر ماسوائے افسوس کے کچھ نہیں کیا جاسکتا ہے۔اور تنقید وتردید کا ایسا محیر العقول نمونہ ملتا ہے جسے سن اور پڑھ کر آدمی انگشت بدنداں رہ جائے۔اس کی تفصیل ذرا کچھ یوں ہے کہ سید قطب کے یہاں جس حاکمیت کے تصورِ ناقص کے نتیجے میں ہلاکت خیز افکار و نظریات کے چشمے پھوٹتے ہیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے بہت پہلے ہی اپنی کتاب "ابن القریۃ والکتاب" میں ردوتنقید کے ساتھ جابجا دفاع بھی کیا ہے۔ محترم غازی صاحب نے عظیم کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں مسئلہ حاکمیت کی پوری بحث ہی قرضاوی صاحب کی کتابِ مذکور (۳/۴۶تا۲۷) سے حرف بحرف نقل کر دیا ہے۔اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ موصوف نے اس پورے مضمون کو اس سیاق میں تحریر فرمایا ہے کہ گویا وہ انہیں کی طبع زاد مندرجات ہیں۔!!

اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ غازی صاحب نے اپنی اس کتاب میں سید قطب کے تکفیری نظریہ کی تردید میں جو قلابازیاں دکھلائی ہیں وہ کس قدر حیران کن اور تعجب انگیز ہیں۔

سید قطب کی کتاب "فی ظلال القران" کے بارے میں محترم غازی صاحب کہنا ہے کہ: "اب انہوں نے باقاعدہ تفسیر کے انداز و اسلوب میں لکھنا شروع کیا اور ہمارا اندازہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر کا نچوڑ انہوں نے "فی ظلال" کے صفحات میں انڈیل دیا ہے"(ص:۰۴)۔

تفسیر ابن کثیر جیسی خالص سلفی تفسیر سے ایک تحریکی، انقلابی اور تکفیری تفسیر نما کتاب کا کسی بھی ناحیے سے مقارنہ اور موازنہ کرنا یا اس سے اظہار نسبت کرنا در اصل آگ اور پانی اور حق وباطل کو ایک ساتھ جمع کرنے کا تصور خام ہے۔فشتان ما بينهما.

بالآخر غازی صاحب کو سوچنا چاہیے کہ "فی ظلال القرآن" جیسی تحریکی تفسیر نما کتاب "تفسیر ابن کثیر کا نچوڑ" کیسے ہو سکتی ہے جس میں احادیث کا انکار بصراحت پایا جاتا ہے؟

جس میں دین اسلام کے بنیادی رکن کلمہ لا الہ الا اللہ کی محرفانہ تفسیر خود ساختہ نظریہ حاکمیت سے کی گئی ہے؟ جس میں منحرف اور گمراہ فرقوں کے شانہ بشانہ صفات الہیہ کی تعطیل وانکار جگہ جگہ موجود ہے۔ جس کے ہزارہا صفحات میں توحید ربوبیت اور الوہیت کا شرعی تصور ہی سرے سے ناپید ہے۔ جس میں امت مسلمہ کی بے لاگ تکفیر کی گئی ہے اور اسے جاہلیت زدہ قرار دینے کی جابجا مذموم کوشش کی گئی ہے۔ جس کے ہر صفحے میں جاہلیت اور حاکمیت کی رٹ اس طرح لگائی گئی ہے گویا قرآن کا نزول ہی مزعومہ حاکمیت کی تائید کے لئے ہوا ہے۔

غازی صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ جن اصول ومقدمات کی بنیاد پر سید قطب پر تنقید کرتے ہیں، خود انہیں کی ہم خیالی کرتے ہوئے وہ مسلم حکمرانوں کو "طاغوت" تک کہہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے: "سید قطب اپنی پوری علمی و عملی زندگی میں فکری جہاد اور مجاہدہ فکر کی بہترین مثال نظر آتے ہیں۔ایسی مثال جس نے اپنے اندر وطن دوستی، اسلام پسندی اور انسانیت نوازی جیسی اعلی خوبیوں کو سمو لیا تھا۔ در حقیقت یہ طاغوتی مظالم یا ظالم طاغوتی طاقتیں تھیں جنھوں نے ان جیسے حساس ونازک طبع ادیب وشاعر کو اذیت وبربریت کی دہکتی ہوئی بھٹی میں ڈال دیا۔ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے اور طاغوتی مظالم کے رد عمل میں سید قطب کے فکری ارتقا میں ایک ٹھہراؤ یا جملہ معترضہ پیدا ہو گیا جس کا اظہار اس آہ وفغاں سے ملتا ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں"(ص:۹۴)۔

اولا: غازی صاحب سید قطب کی جس فکری جہاد اور مجاہدہ فکر کی تعریف میں رطب اللساں ہیں، دہشت گرد تنظیموں کی تخریب کاریوں اور ان کی شر پسندانہ سرگرمیوں کی شکل میں پوری دنیا اسے جان چکی ہے۔

ثانیا: مسلم حکومتوں یا حکمرانوں کو "طاغوت" کہنا یہ دراصل خارجیوں کی روش ہے۔ کسی کلمہ گو مسلمان پر طاغوت کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہی سلف کا موقف ہے۔ جو طاغوت ہو گا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو مسلمان ہو گا اس کی طرف طاغوت کی نسبت کرنا قطعا درست نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خلاف شرع فیصلوں کے غلط ہونے کا عقیدہ ہونا چاہئے۔ غازی صاحب بھی اسے بخوبی جانتے ہیں لیکن کیا کریں اسلوب نگارش پر تحریکی لب ولہجے کا غلبہ ہی کچھ ایسا ہے۔

ثالثا: سید قطب کے دیگر منحرفانہ اور باطلانہ افکار و نظریات ہی ان کے اسی تکفیری فکر پر مبنی ہیں۔ لہذا ان کے فکری ارتقا میں اس تکفیری فکر کو جملہ معترضہ کہنا کسی بھی طور پر درست نہیں ہو سکتا۔ جملہ معترضہ کہنا اس وقت درست ہوتا جب یہ تکفیری فکر ان کے بیشتر صحیح افکار وخیالات میں کسی ناحیے سے جزوی انحراف کے طور پر درآتا۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ پورے قطبی لٹریچر کا مقصد ہی تکفیریت کا بیج بونا ہے جیسا کہ ان کے آخری دور کی جملہ تصنیفات اسی تکفیری فکر کی ترویج وتشہیر پر مبنی دکھائی دیتی ہیں۔ مزید یہ کہ حاکمیت اور جاہلیت کی تکرار نکال دی جائے تو قطبی نگارشات میں آخر بچے گا ہی کیا؟ پھر بھی اسے جملہ معترضہ کہنا چہ معنی دارد؟

آگے مزید لکھتے ہیں:

"بہر حال ہم کسی بھی طرح ان تکفیری عبارتوں کی تاویل وتوجیہ کر سکتے ہیں جن کی روسے کئی صدیوں پیشتر امت مسلمہ کا وجود عنقاء ہو گیا ہے۔ ہم ان غیر سنجیدہ فیصلوں کو سید قطب کی فکری روانی میں ایک جملہ معترضہ کے طور پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس غلطی کے باوجود سید قطب کا شمار ہمیشہ اسلام کے ایک مجاہد مفکر کی حیثیت سے ہوتا رہے گا جس کو مظلومیت کی حالت میں دار ورسن کی آزمائشوں کا نشانہ بنایا گیا۔ سید قطب کی شہادت کے بعد بھی ان کی فکر نہ صرف یہ کہ پھیلتی گئی بلکہ عالم اسلامی کے طول وعرض میں انسانی قلوب واذہان کو جس وسیع پیمانے پر سید قطب کی فکر نے متاثر کیا ہے اس کی نظیر بیسویں صدی میں کسی بھی دوسرے اسلامی مفکر ودانشور کے یہاں نہیں ملتی"۔ (ص:١۵)۔

غازی صاحب کو بھلی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ پوری دنیا میں سید قطب جیسے غیر عالم ادیب محض کو جس وجہ سے مجاہد، مفکر، دانشور، انقلابی اور تحریکی جیسے القاب سے باور کرایا جاتا ہے وہ ان کے انھی جارحانہ اور باغیانہ تیور کی ترجمان تکفیری نگارشات ہیں جس پر غازی صاحب خود پوری شدومت کے ساتھ تنقید کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ "ماعلیہ" کے ساتھ "مالہ" بیان کرنے کرتے ہوئے صلح کلی اور بین بین والا تلبیسانہ رویہ اپنانے پر مجبور ہیں اس لیے وہ اپنے ہی تنقیدی مقدموں اور تحریروں کو کالعدم اور قابل اعتراض پہلوؤں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ بھلا بتائیں کہ سید قطب کی شخصیت میں ان کے تکفیری آراء و نظریات کے علاوہ کون سا مفکرانہ اور دانشورانہ پہلورہ آتا ہے؟ اس نوعیت کے بلند بانگ دعوؤں سے وہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

پوری کتاب میں ان جیسے عجیب وغریب ملغوبہ ہائے تضادات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ ایک انجان راہ گیر کو خطرات ومہالک سے پر راستے کی طرف یہ کہہ کر راہنمائی کرنا چاہتے کہ یہ چلتا پھرتا اور پر امن راستہ ہے!!

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

بہر حال غازی صاحب کو سمجھنے کے لیے مقدمہ کتاب میں ان کی وہ بات ہی کافی ہے جس میں وہ انتہائی جھنجھلاہٹ اور تنک مزاجی کے ساتھ عرض گزار ہیں: "معزز قارین سے مجھے کہنا ہے کہ اگر آپ سلفیت میں شدت پسند واقع ہوئے ہیں اور اخوان المسلمون کو پوری طرح جماعت الشیاطین باور کیے بیٹھے ہیں اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو مجروح و مطعون کرنے اور پایہ اعتبار سے گرانے کے لیے آپ کے نزدیک اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ "اخوانی الفکر" ہے تو بھلی طرح سمجھ لیں کی یہ کتاب آپ کے لیے بیکار ہے اور اسے پڑھ کر آپ کا قیمتی وقت برباد جائے گا۔"(ص:۰۲)۔ (۱)

---

(۱)جناب ذکی الرحمن غازی صاحب کے اس دعوی "اگر آپ اخوان المسلمون کو پوری طرح جماعت الشیطان باور کئے بیٹھے ہیں" کی حقیقت اور اخوان المسلمون کے عقائد ونظریات کے بارے میں آگاہی چاہتے ہیں تو استاد محترم شیخ اشفاق سلفی مدنی حفظہ اللہ کی کتاب "جماعت اخوان المسلمین اور سعودی عرب کی علماء کونسل کا جاری کردہ فتوی" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ کتاب ڈاؤنلوڈ کرنے کے لئے نیچے دئے گئے لنک پر کلک کریں: https://salafimanhaj.info/458/

غازی صاحب آپ کے بتائے ہوئے خود ساختہ اصول کے مطابق ہم تو ٹھہرے تشدد پسند سلفی، کیونکہ سلفیت میں شدت پسندی کا جو معیار آپ نے بتلایا ہے وہ اللہ کے فضل سے ہر غیرت مند سلفی میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ اور ہر صاحب بصیرت سلفی ڈنکے کی چوٹ پر علی الاعلان یہ بات کہتا ہے کہ اخوان المسلمین ایک تخریبی تنظیم اور امن دشمن جماعت ہے۔ اس گروہ سے وابستہ لوگ یا اس سے کسی بھی طور پر اپنی ہمدردی اور محبت کا اظہار کرنے والے افراد ورجال دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں، یا تو وہ اس جماعت کی منافقانہ پالیسیوں سے واقف نہیں ہیں یا سب کچھ جاننے کے باوجود اس کے خارجیت زدہ ایجنڈوں کی تعمیل میں کوشاں ہیں۔

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ڈاکٹر محمد عمارہ مصری کے افکار و نظریات

محمد عمارہ سن ۱۹۳۱ء میں مصر کے صوبہ "کفر الشیخ" کے "صروۃ" نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، گاؤں کے مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا، اور "كلية دار العلوم بجامعة القاهرة" سے عربی زبان اور علوم اسلامیہ میں بی اے کی ڈگری حاصل کی، پھر اسی کلیہ سے "اسلامی فلسفہ" میں ماسٹر ز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری کمپلیٹ کی۔

محمد عمارہ بچپن ہی سے عرب قوم پرستی اور وطن پرستی میں جنونیت کی حد تک دلچسپی رکھتے تھے، زمانہ طالب علمی میں انتہائی شدت کے ساتھ مارکسزم اور کمیونزم کے لیفٹسٹ نظریات کے پرجوش اور بلائنڈ سپورٹر رہے جس کی وجہ سے انہیں گریجویشن ادھورا چھوڑ کر جیل بھی جانا پڑا، اور ایک مدت بعد جب یہ انکشاف ہوا کہ مارکس کے نظریات انسانی زندگی کے احتیاجات وضروریات کی تکمیل اور مسائل کے حل کے لئے تنگ دامن اور ناکافی ہیں تو مارکسزم کو جزوی طور پر خیر آباد کہہ کر اعتزال اور عقل پرستی کی طرف مائل ہوگئے اور تمام تر ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے قدیم اعتزالیات کو مارکسی لیفٹسٹ نظریات کے ساتھ ملا کر جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے طرز پر جدید انداز میں پیش کرنے لگے اور مزعومہ "مفکرین اسلام" کی فہرست میں شامل ہو کر اپنی خواہشات کے مطابق دین اسلام کی تشریح وتوضیح اور دفاع وتبلیغ کرتے رہے جسے وہ ان کے ہم فکر افراد روشن خیال اور ترقی پسند اسلام کا نام دیتے ہیں، اس کے علاوہ زندگی میں کئی علمی اداروں سے بحیثیت رکن وابستہ رہے جن میں مصر کی "مجلس اعلی برائے اسلامي امور"، "هيئة كبار علما الازهر"، "انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ"، اور مجمع البحوث الاسلامية جامعہ ازہر نمایاں ہیں، آپ نے مجلة الازھر کی ادارت کی خدمات بھی انجام دیں۔

تقریباً ڈھائی سو کتابیں لکھیں اور علمی وفکری مجلات کے لیے متعدد مضامین سپرد قلم کئے جن میں سے "مشكلة الحرية الإنسانية عند المعتزلة" ماسٹرز کا مقالہ، "نظرية الإمامة وفلسفة الحكم عند المعتزلة" پی ایچ ڈی کا رسالہ، القومية العربية ومؤامرات أمريكا ضد وحدة العرب، فجر اليقظة القومية، العروبة في العصر الحديث، الأمة العربية وقضية الوحدة، قاسم أمين وتحرير المرأة، محمد عبده: مجدد الإسلام، جمال الدين الأفغاني: موقظ الشرق وفيلسوف الإسلام، عبد

الرحمن الكواكبي: شهيد الحرية ومجدد الإسلام، علي مبارك: مؤرخ المجتمع ومهندس العمران، رفاعة الطهطاوي: رائد التنوير في العصر الحديث، المعتزلة وأصول الحكم، المعتزلة والثورة، الدكتور يوسف القرضاوي: المدرسة الفكرية والمشروع الفكري، الشيخ الغزالي: الموقع الفكري والمعارك الفكرية، أبو الأعلى المودودي، وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے متعدد کتابیں اُردو فارسی انگریزی فرانسیسی جرمن اسپینی اور ترکی وغیرہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر لوگوں میں معروف ومتداول ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بڑے فصیح اللسان اور قادر الکلام اسپیکر تھے اور غامدی صاحب کی طرح بڑے سلیقے سے اور منفرد انداز میں بات کرتے تھے اس لئے لوگ ڈاکٹر صاحب کے خطبات ومحاضرات سن کر خوب متاثر ہوتے تھے اور ان کے گمراہ کن افکار کے سحر میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

ڈاکٹر عمارہ سن ۲۰۲۰ء میں وفات پاگئے۔

ڈاکٹر محمد عمارہ کے چند اہم افکار ونظریات درج ذیل ہیں:

۱-ڈاکٹر محمد عمارہ عالم عرب بالخصوص مصر کے عقلانیین اور فکر اعتزال کے مجددین جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رفاعہ طہطاوی، عبد الرحمٰن کواکبی، سعد زغلول، محمد غزالی اور دکتور عبد الرحمٰن سہنوری پاشا وغیرہم کے منہج پر تھے بلکہ خود بھی دور حاضر میں فرقہ معتزلہ کے امام ومجدد تھے جس کا اعتراف خود انہوں نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔[۱]

لکھتے ہیں: "معتزلہ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے نجات پانے والے فرقہ (فرقہ ناجیہ) کا نام ہے، حدیث اصل میں اس طرح تھی "ستفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة أبرها وأنقاها الفئة المعتزلة" لیکن جب معتزلہ اس نام سے معروف ہو گئے تو دوسرے لوگوں نے لفظ "المعتزلة" کو لفظ "الناجية" سے بدل دیا۔[۲] تعجب کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے دوسرے مقام پر اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دے کر اس کا انکار کر دیا ہے۔

(۱)(رحلة في عالم الدكتور محمد عمارة، ص:۱۰۷، العرب والتحدى ص:۲۹۱)

(۲)(الخلافة ونشأة الأحزاب الإسلامية ص:۱۸۹)۔

مزید لکھتے ہیں:"شبہات سے پاک اور صاف ستھری توحید وہی ہے جس کی دعوت معتزلہ نے دی ہے قرآن کی قدامت کا انکار کر کے، یہ لوگ ذات علیہ سے صفات کی نفی کرتے ہیں تاکہ ان صفات کی قدامت کا اقرار لازم نہ لائے اور اللہ قدیم کے ساتھ دوسرے قدیم کا اثبات نہ ہو"۔[١]

اس عبارت میں محمد عمارہ نے قرآن کو حادث یعنی مخلوق قرار دینے کی تائید کی ہے، اور صفات باری تعالیٰ کے انکار کو درست قرار دیا ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ معتزلہ نے صفات کا انکار کر کے خالص توحید کا اثبات کیا ہے کیونکہ اللہ ہی واحد قدیم ہے اور اگر صفات کو بھی قدیم مان لیں گے تو تعدد قدماء لازم آئے گا اور وحدانیت برقرار نہیں رہے گی۔

نیز انہوں نے اپنی کتاب "مشكلة الحرية الإنسانية عند المعتزلة" کے اندر معتزلہ کا خوب دفاع کیا ہے اور انکارِ تقدیر کے تعلق سے ان کے موقف کی تائید کی ہے، اسی طرح امام المعتزلہ عمرو بن عبید کی بڑی تعریفیں کی ہیں اور اسے بڑا علامہ اور تنہا ظالم زمانہ کے خلاف کھڑا رہنے والا مجاہد قرار دیا ہے، نیز لکھا ہے کہ وہ مسلم عقل کی ترقی کی نمایاں علامت ہیں۔[٢]

اور کتاب "الِاسلام والمستقبل"[٣] کے اندر "المنزلة بين المنزلتين" کے عنوان سے ایک فصل قائم کیا ہے اور معتزلہ کے اس باطل اصول کی تائید وحمایت کی ہے اور اس کی طرف دعوت دی ہے۔

---

(١)(نظرۃ جدیدۃ ص:٩١)۔

(٢)(ملاحظہ فرمائیں: مسلمون ثوار ص:١٦١)۔

(٣)(ص:٢٥٦)۔

۲- محمد عمارہ عقل کو کتاب و سنت اور اجماع امت ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، لکھتے ہیں: "عقل ہی اولین دلیل ہے کیونکہ اسی سے حسن وقبح میں تمیز ہوتی ہے، اور اسی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ حجت ہے اور سنت واجماع بھی دلیل ہے"۔[۱]

نصوص شریعت کو عقل کے تابع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "نصوص منقولہ کو عقلی برہان پر پیش کرنا ضروری ہے چنانچہ اگر نصوص عقل کے ساتھ ٹکرائے تو ان کی تاویل واجب ہوگی تاکہ وہ عقلی برہان کے موافق ہو جائے"۔[۲]

"ظواہر نصوص اور براہین عقلیہ کے مابین تعارض ہو تو عقل ہی حاکم ہوگی"۔[۳]

"عقل ہی حاکم ہے حتیٰ کہ نصوص کے اندر بھی، اس بنیاد پر قرآنی آیات کو بھی وجوبی طور پر عقل پر پیش کیا جائے گا"۔[۴]

"عقل انسانوں میں اللہ کا وکیل ہے جسے اس نے اپنے معاملات اور کاموں کی قیادت سونپ دی ہے"۔[۵]

---

(۱)(الطریق إلی الیقظة الإسلامیة له ص:۱۰۰، التراث فی ضوء العقل ص:۱۸۳، الدولة الإسلامیة ص:۱۷۲)۔

(۲)(التراث فی ضوء العقل ص:۲۷۰)۔

(۳)(التراث فی ضوء العقل ص:۱۸۳)۔

(۴)(الدولة الإسلامیة ص:۱۷۱)۔

(۵)(الدولة الإسلامیة ص:۱۶)۔

"انسانیت کے عہدِ طفولیت وکم مائیگی میں اس کے سیاسی امور انبیاء کے سپرد تھے، تاہم اسلام میں اور رسالتوں کی تکمیل اور عقل کی شان کی بلندی اور اس کے اختیارات کی بالادستی کے بعد دونوں قوتوں (شریعت وعقل) کے درمیان فرق انسانی ترقی کی شاہراہ پر اسلام کی بڑی کامیابیوں میں سے ایک بن گیا ہے"۔(۱)

"ختم رسالت ورسل کے ذریعے انسانیت کے سن رشد کو پہنچ جانے کے بعد انسانوں کے دنیاوی معاملات عقل کے سپرد ہوگئے اور کسی آسمانی حکم کی ضرورت نہ رہی"۔(۲)

"قرآن ایک عقلی معجزہ ہے... قرآن عقل کو تمام نصوص اور منقولات وماثورات پر حاکم مقرر کرتا ہے"۔(۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو قرآن اور عقل کے سپرد کردیا ہے۔"۔(۴)

"جب کسی سائنسی اکتشاف یا تھیوری اور قرآنی نصوص کے ظاہری مفہوم کے مابین تعارض معلوم ہو تو سائنسی نظریات واکتشافات کو قبول کیا جائے گا اور نص قرآنی کے ظاہری مفہوم کی تاویل کی جائے گی تاکہ قرآنی آیت اس سائنسی اکتشاف ونظریہ کے موافق ہوکیونکہ قرآن سائنسی وعقلانی عمومیات وکلیات پر بات کرتا ہے تفاصیل پر نہیں۔(۵)

عقل کو نصوص شریعت پر مقدم قرار دیتے ہوئے محمد عمارہ نے بہت سارے مسلمات دینیہ کا انکار کیا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

---

(۱)(الدولة الإسلامية ص:۶۵)۔

(۲)(الدولة الإسلامية ص:۶۵)۔

(۳)(الإسلام والمستقبل ص:۲۱)۔

(۴)(الدولة الإسلامية ص:۱۷۷)۔

(۵)(مسلمون ثوار ص:۴۱۲)۔

اول: محمد عمارہ ان تمام نصوص وروایات پر عقل کو مقدم قرار دیتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خارق عادت معجزہ پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ اس بنیاد پر سوائے قرآن کے تمام معجزات کا انکار کرتے ہیں، چونکہ قرآن ان کے نزدیک عقلی معجزہ ہے اس لئے صرف اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ (١)

دوم: جبریل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آنے اور صحابہ کا انہیں دیکھنے کے واقعات کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وحی سے متعلق وارد دیگر احادیث کی طرح دحیہ کلبی کے روپ میں جبریل کے آنے اور صحابہ کا انہیں دیکھنے کے بارے میں منقول احادیث بھی آحاد ہیں اور احادیث آحاد حجت نہیں ہیں۔ (٢)

سوم: "حدیث الافتراق" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے، نصاری بہتر گروہوں میں بکھر گئے تھے، اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی) کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث آحاد ہے اور احادیث آحاد عقائد کے باب میں حجت نہیں ہے، نیز اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول غیب جانتے تھے حالانکہ قرآن نے صراحتاً اس کی نفی کی ہے، مزید تاریخی شواہد اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس حدیث میں جو تعداد بتائی گئی ہے وہ امر واقع کے خلاف ہے۔ (٣)

چہارم: محمد عمارہ مہدی منتظر کا انکار کرتے ہیں اور انہیں افسانوی ہیرو قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان کے تعلق سے وارد احادیث تاریخی کہانیاں ہیں، جب لوگ حکمرانوں کے ظلم سے تنگ آ گئے اور انہیں ان مصائب ومشکلات سے نجات کی

---

(١) (مقال "ماذا تعنی بشریۃ الرسول" الہلال دسمبر ١٩٨٤)۔

(٢) (مقال "الوحی الإلہی" الہلال دسمبر ١٩٨٥)۔

(٣) (تیارات الفکر الإسلامی ص: ٢٥٢-٢٥٣)۔

کوئی صورت نظر نہ آئی اور انقلاب کے ذریعے تبدیلی سے بھی قاصر رہے تو انہوں نے دلی تسلی کے لئے قصے کہانیاں گھڑلی کہ ایک مہدی پیدا ہوں گے جو روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔[۱]

پنجم: یہودیوں کا رسول اللہ صلی پر جادو کرنے کے متعلق وارد حدیث کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ پر کبھی کوئی جادو نہیں ہوا تھا کیونکہ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے۔[۲]

۳- محمد عمارہ یہود ونصاری کو کافر نہیں سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں کہ وہ بھی موحد متدین بلکہ مسلمان ہیں، اور وہ بھی جنت میں داخل ہوسکتے ہیں۔[۳]

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾۔[۴]

جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ﴾ ۔[۵]

---

(۱)(الطریق إلی الیقظة الإسلامیة ص:۱۸۲،عمر بن عبد العزیز ضمیر الأمة وخامس الراشدین ص:۱۵۰)۔

(۲)(جریدۃ المسلمون عدد ۲۷۸)۔

(۳)(ملاحظہ فرمائیں: الإسلام والوحدۃ الإسلامیة ص: الإسلام والوحدۃ الوطنیة ص:۶۲۵،۷۱،۷۰،۶۰،۵۰-۵۱،تجدید الفکر الإسلامی ص:۸۲)۔

(۴)(آل عمران:۸۵)۔

(۵)(التوبة:۳۳،الصف:۹)۔

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو سب ادیان پر غالب کر دے، خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"والذي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بيَدِهِ، لا يَسْمَعُ بي أحَدٌ مِن هذِه الأُمَّةِ يَهُودِيٌّ، ولا نَصْرانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ ولَمْ يُؤْمِنْ بالَّذِي أُرْسِلْتُ به، إلّا كانَ مِن أصْحابِ النّارِ"۔

اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت (امّتِ دعوت) کا کوئی ایک بھی فرد خواہ یہودی ہو یا عیسائی، میرے متعلق سن لے، اور وہ اُس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، تو وہ اہل جہنم میں سے ہو گا۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہنچ جانے کے بعد دوسری امتوں کے مومنوں کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ وہ جہنمی ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کو صالحین سمجھنا قرآن وسنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

نیز فرماتے ہیں:"أُمِرْتُ أنْ أُقاتِلَ النّاسَ حتّى يقولوا: لا إلَهَ إلّا اللَّهُ، فمَن قالَ: لا إلَهَ إلّا اللَّهُ، فقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ ومالَهُ، إلّا بحَقِّهِ وحِسابُهُ على اللَّهِ"۔[۱]

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کے قائل ہو جائیں، چنانچہ جو "لا الہ الا اللہ" کا قائل ہو گیا، اس نے میری طرف سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی، الا یہ کہ اس (اقرار) کا حق ہو، اور اس شخص کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"جو شخص یہود و نصاریٰ اور مرتدین میں سے کسی کی تکفیر نہ کرے، یا ان کی تکفیر میں توقف اختیار کرے یا شک کرے اس کے کافر ہونے پر اجماع ہے۔[۲]

---

(۱)(صحیح البخاری ۲۹۴۶، صحیح مسلم:۲۱)۔

(۲)(الشفا للقاضی عیاض ۲/۲۸۱)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:" فلاسفہ اور ان کے ہم مسلک قرامطہ اور اتحادیہ وغیر ہم کے نزدیک کسی بھی شخص کے لئے مسلمان اور یہود و نصاریٰ کسی کا بھی دین قبول کرنا جائز ہے، حالانکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ ساری باتیں بالاتفاق کفر ہیں، جو بھی شخص ظاہری و باطنی طور پر اس چیز کا اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کرے گا وہ مسلمان نہیں ہے، اور جو کوئی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف وہی مسلمان ہوگا جو ظاہری و باطنی طور پر آپ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے، اور جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہود و نصاری کا دین اختیار کرنے کی حرمت کا قائل نہ ہو، بلکہ جو ان کی تکفیر نہ کرے اور ان سے بغض نہ رکھے وہ بھی مسلمان نہیں ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔(۱)

نیز باطنیہ اور حلولیہ واتحادیہ کے بارے میں کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" اور جو کوئی ان کے اقوال کی معرفت اور دین اسلام کی معرفت کے بعد ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے، جیسے اس شخص کا حکم ہے جو یہود و نصاری اور مشرکین کے کفر میں شک کرتا ہے۔"۔(۲)

نواقض اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:" تیسرا ناقض: جو مشرکین کی تکفیر نہ کرے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کا مذہب درست قرار دے وہ بالاجماع کافر ہو جاتا ہے"۔(۳)

شیخ سلیمان بن عبد اللہ آل الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" اگر وہ ان کے کفر کے تعلق سے شک میں مبتلا ہو یا لاعلم ہو تو اس کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تکفیر کے دلائل ذکر کئے جائیں گے، اگر اس کے بعد بھی شک کرے اور متردد ہو تو وہ کافر ہے، علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کفار کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔(۴)

---

(۱)(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ ۴۶۴/۲۷)۔

(۲)(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ ۳۶۸/۲)۔

(۳)(الرسائل الشخصیۃ لشیخ الإسلام محمد بن عبد الوہاب ص:۲۱۳)۔

(۴)(مجموعۃ التوحید ص:۹۶، الضیاء الشارق ص:۳۷۴)۔

شیخ عبد اللہ عبد الرحمٰن ابابطین لکھتے ہیں: جو کوئی یہود و نصاری کی تکفیر نہ کرے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے اس کے کفر پر علماء کا اجماع واتفاق ہے"۔[۱]

سعودی فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ ہے: "جو کوئی کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کرے جس کا کفر ثابت شدہ ہو تو وہ خود کافر ہے، الا یہ کہ اسے اس سلسلے میں کوئی شبہ ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے"۔[۲]

امام ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: جو شخص یہود و نصاری کی تکفیر نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟

تو آپ نے جواب دیا: وہ انہی جیسا ہے، جو کفار کی تکفیر نہ کرے وہ انہی جیسا ہے، اللہ پر ایمان کا مطلب اس کا انکار کرنے والے کی تکفیر ہے، صحیح حدیث میں ہے "جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرے اور اس کے علاوہ دیگر معبودان کا انکار کرے اس کا مال اور خون حرام ہو جاتا ہے اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہوتا ہے۔" ﴿فمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾۔[۳]

پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر دے، اور اللہ پر ایمان لے آئے، اس نے در حقیقت ایک ایسے مضبوط کڑے کو پوری قوت کے ساتھ تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا، اور اللہ بڑا ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

لہٰذا اللہ پر ایمان لانا اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اخلاص اپنانا ضروری ہے، نیز مومنوں کے ایمان کا اقرار اور ان کافروں کی تکفیر لازمی ہے جن تک شریعت پہنچی اور وہ ایمان نہیں لائے جیسے یہود و نصاریٰ مجوس اور کمیونسٹ وغیرہم، جو آج

---

(۱)(الانتصار لحزب اللہ الموحدین ص:۱۶)۔

(۲)(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ-۱ المجموعۃ الأولی ۲/۱۴۲)۔

(۳)(سورۃ البقرۃ:۲۵۶)۔

بھی موجود ہیں اور آج سے قبل بھی موجود تھے جن تک اللہ کی رسالت پہنچی اس کے باوجود ایمان نہ لائے وہ سب جہنمی اور کفار ہیں۔ [۱]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس نے یہود و نصاری -جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور آپ کی تکذیب کی- کے کافر ہونے کا انکار کیا، اس نے اللہ کو جھٹلایا اور اللہ کو جھٹلانا کفر ہے، اور جس نے ان کے کفر میں شک کیا خود اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے"۔ [۲]

علامہ مقبل الوادعی فرماتے ہیں: "جو کافر کو کافر نہ کہے وہ کافر ہے، چنانچہ جو نصاری کی تکفیر نہ کرے، یہود کو کافر نہ کہے، کمیونسٹوں کی تکفیر نہ کرے جن کے بارے میں معروف ہے کہ وہ مارکس اور لینن کی تعظیم کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کی عبادت کرتے ہیں، اور کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور نبی اکرم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ دین قوموں کے لئے افیون ہے، معاد کا انکار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ لہٰذا جو ان کی تکفیر نہ کرے وہ کافر ہے"۔ [۳]

۴- محمد عمارہ وحدت ادیان کے علم بردار، اس کے پرجوش داعی اور متحمس موئد تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ کے ہاں مقبول دین اسلام ہے جو یہودیت عیسائیت اور اسلام تینوں میں مشترک ہے، تینوں اصول الدین اور توحید کے مسائل میں متفق ہیں فرق صرف بعض قوانین و تشریعات اور فروعات میں ہے، یہ تینوں ایک دوسرے کے مقابلے میں ویسے ہی ہیں جیسے اسلام کے داخلی فرقے ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں، لہٰذا جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرلے گا وہ موحد متدین مسلمان اور نجات یافتہ ہوگا۔

لکھتے ہیں: "اہل کتاب -جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے رسولوں کی شریعتوں کے متبعین ہیں- اگر صرف اپنے رسولوں کی رسالت کی تصدیق پر اکتفا کریں اور توحید کا اقرار اور اطاعت کے اعمال انجام دینے کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ کی

---

(۱)(مجموع فتاوی ومقالات ابن باز ۲۸/۴۶)۔

(۲)(فتاوی وأحكام الداخلین فی الإسلام ص:۴۲)۔

(۳)(غارة الأشرطة ۲/۲۹۷)۔

رسالت و نبوت کی تصدیق سے انکار کر دیں تو یہ توقف وانکار انہیں ایک دین کے دائرے سے نہیں نکال سکتا اور نہ ہی دین اسلام کے پیروکاروں کے دائرے سے خارج کر سکتا ہے، ان کا یہ موقف انحراف وکجروی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام رسولوں پر ایمان لانے والوں اور توحید کا اقرار اور اطاعت کے کام کرنے کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے والوں کے درمیان اسی طرح کا فرق ہے جو بدعت سے پاک مؤمن کے ایمان اور بدعات سے آلودہ مؤمن کے ایمان کے درمیان ہے۔[(۱)]

"مسلمانوں اور اہل کتاب کے مابین فرق اتنا خطرناک نہیں ہے کہ اہل کتاب کو ایمان اور دین الٰہی کی پیروکاری کے دائرے سے باہر لے جائے۔"۔[(۲)]

"مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کا دین ایک ہی ہے"۔[(۳)]

"جو کوئی اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام چیزوں قرآن اور اس سے پہلے کی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور رسالت کی ابتدا سے لے کر محمد پر اختتام تک کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہے جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین تو وہ ہدایت یافتہ ہے، اور جو "توحید" اور "طاعت" کے علاوہ کسی بھی چیز پر ایمان لانا ترک کر دیتا ہے وہ تفرقہ میں پڑا ہوا ہے، وہ کافر ہے یعنی اس چیز کا منکر ہے جس پر ایمان نہیں لایا، لیکن مشرک نہیں ہے اس لئے کہ وہ متدین اور موحد بلکہ مسلم ہے"۔[(۴)]

سعودی فتویٰ کمیٹی سے وحدت ادیان کی دعوت کے حوالے سے سوال کیا گیا تو کمیٹی نے متعدد نکات کی صورت میں تفصیلی جواب دیا جن میں سے چند نکات بالاختصار درج ذیل ہیں:

---

(۱)(الإسلام والوحدۃ الوطنیۃ ص:۵۰-۵۱)۔

(۲)(تجدید الفکر الإسلامی ص:۸۲)۔

(۳)(الإسلام والوحدۃ الوطنیۃ، ص:۶۴)۔

(۴)(الإسلام والوحدۃ الوطنیۃ ص:۶۲۵)۔ (نیز ملاحظہ فرمائیں مسلمون ثوار ص:۳۸۴)۔

اولاً: اسلام کے بنیادی اعتقادات جو دین میں بدیہی طور پر معلوم ہیں اور جن پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ روئے زمین پر اسلام کے علاوہ کوئی دین دینِ برحق نہیں ہے، دینِ اسلام خاتم الادیان ہے اور اپنے سے پہلے کے تمام ادیان ملل اور شرائع کا ناسخ ہے...۔

خامسا: اسلام کے اصولوں میں سے ایک یہ کہ یہود و نصاریٰ وغیرہم میں سے ہر اس شخص کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے جو اسلام میں داخل نہ ہوا ہو...، لہٰذا شریعت کا قاعدہ "من لم يُكفِّر الكافر بعد إقامة الحجة عليه فهو كافر" (جو کوئی اقامت حجت کے بعد کافر کی تکفیر نہ کرے وہ خود کافر ہے) کے مطابق جو یہود و نصاریٰ کی تکفیر نہ کرے وہ خود کافر ہے۔

ثامنا: اگر وحدت ادیان کی دعوت کسی مسلمان کی طرف سے صادر ہو تو ایسا کرنا دین اسلام سے صریح ارتداد سمجھا جائے گا، کیونکہ یہ دعوت اصول الاعتقاد سے متصادم ہے...۔(۱)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: ایسے شخص کا کیا حکم ہے جو مذاہب کے بیچ قربت و یگانت کی دعوت دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسلمان اور یہود و نصاری سبھی اصل توحید میں متفق ہیں، کیا اس کی تکفیر کی جائے گی؟ اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

تو شیخ نے جواب دیا: میں سمجھتا ہوں کہ ایسا شخص کافر ہے، جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دین اسلام اور یہودی و نصاریٰ سب توحید پر متفق ہیں وہ کافر ہے، اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والا ہے، اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ نصاری جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے وہ موحد ہیں وہ خود غیر موحد ہے،... لہٰذا میں ایسے شخص سے کہوں گا کہ اللہ سے توبہ کرو؛ کیونکہ یہ ارتداد ہے جس سے تمہارا خون اور مال حلال ہو جائے گا اور تمہارا نکاح فسخ ہو جائے گا اور جب تم مرو گے تو تمہاری کوئی عزت نہیں ہو گی تمہیں کسی گڑھے میں پھینک دیا جائے گا تاکہ لوگوں کو تمہاری بدبو سے اذیت نہ پہنچے اور اگر تم اسی حالت میں مر گئے تو کسی کے لئے تمہارے حق میں استغفار بھی جائز نہ ہو گا۔(۲)

---

(۱)(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ-۱-المجموعۃ الأولی۱۲/۲۷۵)۔

(۲)(اللقاء الشہری لابن عثیمین ۹/۳۰)۔

۵- محمد عمارہ کے نزدیک قرآن عقل کے تابع ہے لہٰذا قرآنی آیات کو عقلی میزان پر پیش کرنا ضروری ہے، نیز قرآن کے تعلق سے طہٰ حسین کی طرح ان کا بھی یہ نظریہ ہے کہ قرآن میں جو تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں یا قرآن کے اندر جو کائناتی و جغرافیائی اور سائنسی اشارات ذکر کئے گئے ہیں ضروری نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں بھی ویسے ہی ہوں، بلکہ عموماً یہ چیزیں عوام الناس کے لئے مسائل کو آسان فہم بنانے کے لئے بطور تمثیل ذکر کی گئی ہیں۔

لکھتے ہیں: "جو کچھ اشارات قرآن میں ہیں، یا رسولوں کے الفاظ میں ہیں، یا مذہبی نصوص میں ہیں، کائنات اور اس کے علوم کے حقائق کے حوالے سے، یا قرآنی کہانیاں جو تاریخ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتی ہیں، ان کا مقصد سائنسی حقائق یا تاریخی واقعات کو بیان کرنا نہیں ہے، اور نہ ہی کسی خاص مذہبی تصور کی وضاحت کرنا کہ ان علوم کے حقائق اور نظریات کیا ہونے چاہئیں، بلکہ عقل اور تجربہ کو ہی اس میدان میں فیصلہ کن مرجع اور حاکم ہونا چاہیے۔[۱]

"عقل ہی حاکم ہے حتیٰ کہ نصوص کے اندر بھی، اس بنیاد پر قرآنی آیات کو بھی عقل پر پیش کیا جائے گا"۔[۲]

نیز انہوں نے "الأعمال الكاملة لمحمد عبده - جمع وتحقيق محمد عمارة"[۳] کے اندر طہٰ حسین کے اس نظریہ کی تائید کی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ تورات نے ہمیں ابراہیم اور اسماعیل کے بارے میں بتایا اور قرآن نے بھی ہمیں ان دونوں کے بارے میں بتایا لیکن ان دونوں کتابوں میں ان دو ناموں کا پایا جانا تاریخی طور پر ان دونوں شخصیات کے وجود کے لئے کافی نہیں ہے۔[۴]

---

(۱)(مسلمون ثوار ص:۶۱)۔

(۲)(الدولة الإسلامية ص:۱۷۱)۔

(۳)(ص:۲۴۶)۔

(۴)(في الشعر الجاہلی طہٰ حسین ص:۲۶)۔

چنانچہ قرآنی قصے اور واقعات ان لوگوں کے نزدیک محض فنی تصویر کشی اور امثال وقصص کے ذریعے صورت حال کی بہترین عکاسی کرنے کے قبیل سے ہیں تاکہ عمدہ طریقے پر مخاطبین کی تفہیم ہوسکے لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ قرآن میں موجود واقعات وقصص کی تاریخی وجود بھی ہو۔

۶- محمد عمارہ بالخصوص عقائد کے باب میں احادیث آحاد کی حجیت کے منکر ہیں جبکہ احکام کے باب میں وارد اخبار آحاد اور عام متواتر احادیث کے تعلق سے ان کا موقف خواہش پرستی اور عقلانیت کے تابع ہے، کیونکہ جو شخص قرآنی آیات کو عقل کے تابع قرار دے وہ احادیث نبویہ کو کس خاطر لائے گا یہ کوئی تحقیق طلب امر نہیں ہے۔

چنانچہ حدیث "افتراق الأمة" کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ حدیث بھی بہت ساری مشتبہ احادیث کی طرح حدیث آحاد ہے متواتر نہیں ہے، اور اگرچہ عملی احکام میں احادیث آحاد سے استدلال کرنا جائز ہے لیکن اعتقادی امور میں ان سے احتجاج ضروری نہیں ہے۔ (۱)

اسی طرح انہوں نے احادیث کے تعلق سے معتزلہ کا موقف بطور استحسان ذکر کیا ہے کہ وہ موضوع کے اعتبار سے احادیث سے استدلال کرنے میں تفریق کرتے ہیں؛ چنانچہ دین وعقائد کے باب میں اخبار آحاد سے حجت نہیں پکڑتے ہیں، البتہ عملیات وفقہیات کے ابواب میں ان سے استدلال کرتے ہیں، اور ان کے اس موقف کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جس کا تعلق دین سے ہو اس میں خبر واحد قبول کرنا اصلا واجب ہی نہیں ہے"۔ (۲)

حالانکہ تقریباً ۹۸ فیصد احادیث آحاد ہیں اور جن احادیث کو متواتر احادیث میں شمار کیا گیا ہے ان میں سے ۹۹ فیصد احادیث تواتر معنوی کے قبیل سے ہیں اور پھر بیشتر احادیث کے متواتر ہونے میں بھی اختلاف ہے لہٰذا جو شخص یا فرقہ احادیث آحاد کی حجیت کا انکار کرتا ہے دوسرے الفاظ میں وہ مکمل احادیث وسنن نبویہ کی حجیت کا انکار کرتا ہے کیونکہ ایسا شخص اگر کسی حدیث کا انکار کردے اور آپ اسے سمجھائیں کہ یہ حدیث تو متواتر ہے تو وہ یہ نکتہ نکالے گا کہ یہ تو تواتر معنوی ہے اور پھر کہے گا

---

(۱)(الإسلام وفلسفة الحكم ص:۱۱۸)۔

(۲)(الإسلام وفلسفة الحكم ص:۱۸۴)۔

کہ اس کے تو متواتر ہونے میں خود محدثین کا اختلاف ہے لہٰذا یہ کیسے حجت بن سکتی ہے چنانچہ اس طرح کے مختلف شبہات اور حیلے بہانوں کے ذریعے اس کا انکار کر ہی دے گا۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:"میں نے امریکہ میں بہت ساری لائبریریاں دیکھی ہیں جو کتاب مقدس (بائبل) اور اس کی خدمات کو حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر کرتی ہیں، تو ہم احادیث آحاد کے پیچھے لڑنے جھگڑنے کے بجائے اس سے استفادہ کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ وہ احادیث عقائد و تشریعات کے میدان میں بہت زیادہ فائدہ نہیں دیتی ہیں، چنانچہ جب ہمیں عادل راویوں کی طرف منسوب کوئی حدیث ملے تو ہم اپنی عقل کو صرف اس دلیل کی بنیاد پر لگام نہ ڈال دیں کہ سند ہی سب کچھ ہے، اس لئے کہ ہماری عقل کے لئے متن میں بھی کوئی گنجائش ہونی چاہیے، چنانچہ ضروری ہے کہ ہم اس ظنی الثبوت کا محاکمہ اس چیز سے کریں جو قطعی الثبوت ہے (یعنی عقل)۔[۱]

اس بنیاد پر انہوں نے متعدد احادیث کا انکار کیا ہے مثال کے طور پر:

حدیث "افتراق الأمة" جو کہ ایک متواتر حدیث ہے اور جسے علامہ کتانی نے اپنی کتاب "نظم المتناثر من الحديث المتواتر"[۲] کے اندر ذکر کیا ہے، اس حدیث کے انکار کے حوالے سے محمد عمارہ کا موقف اوپر گزر چکا ہے۔[۳]

اسی طرح حدیث "الأئمة من قريش" (کہ جب بھی قریش کا دو فرد زندہ رہے گا مسلسل یہ خلافت انہیں میں جاری رہے گی) کا بھی انکار کیا ہے حالانکہ یہ حدیث متواتر ہے صحیح بخاری میں آٹھ مقامات پر اور صحیح مسلم میں بارہ مقامات پر آئی ہوئی

---

(۱)(جریدۃ المسلمون عدد:۲۷۶)۔

(۲)(ج:۱۷،ص:۵۷)۔

(۳)(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الخلافۃ ونشأۃ الأحزاب الإسلامیۃ لمحمد عمارۃ ص:۱۲۹-۱۳۰)۔

ہے اور اسے علامہ کتانی نے "نظم المتناثر من الحديث المتواتر" [۱] کے اندر اور علامہ سیوطی نے قطف الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة [۲] کے اندر ذکر کیا ہے۔اس حدیث کے بارے میں ڈاکٹر عمارہ لکھتے ہیں: "ان احادیث کے تعلق سے بحث وتحقیق کا خلاصہ ہمیں اس بات کا یقین کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ عبارتیں جو سنت شریفہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں وہ قریش کی سیاسی فکر سے زیادہ کچھ نہیں ہے"۔[۳]

اور سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "الأئمة من قريش" سے استدلال کے حوالے سے جو واقعہ ثابت ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ بات سراسر بہتان اور جھوٹ ہے اور اسے سنت کی طرف منسوب کرنا قریش کی ایک سیاسی سوچ ہے جو اس دور میں عام تھی اور اس وقت کے عرب معاشرے میں قریش کے وزن کو ظاہر کرتی ہے۔"۔[۴]

نیز حدیث "من بايع لخليفة فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنقه" کا بھی انکار کیا ہے جو کہ صحیح مسلم کے اندر ہے، لکھتے ہیں: یہ حدیث خبر واحد ہے اور ان احادیث میں وضع کا شائبہ بعید نہیں ہے۔[۵]

---

(۱)(ح:۱۷۵ص:۱۶۹)۔

(۲)(ح:۹۰ص:۲۴۸)۔

(۳)(المعتزلة وأصول الحكم ص:۲۴۳)۔

(۴)(المعتزلة وأصول الحكم ص:۲۴۲،نیز ملاحظہ فرمائیں المعتزلة وأصول الحكم ص:۲۵۵،الإسلام وقضايا العصر ص:۲۳)۔

(۵)(الخلافة ونشأة الأحزاب الإسلامية ص:۲۷)۔

اسی طرح حدیث "لا يفلح قوم ولو أمرهم امراة" کا بھی انکار وتحریف کیا ہے اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عورتیں حکمران وسردار بن سکتی ہیں۔[١]

٧- ڈاکٹر عمارہ کا موقف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی امور جیسے سیاست، امور عدالت وقضاء، اور معاشرتی مسائل میں قابل اقتدا نہیں ہیں اور نہ ہی ان امور سے متعلق مروی ان کی سنتیں دین وشریعت ہیں بلکہ ان مسائل میں اللہ نے فیصلہ کا اختیار عقل اور امت پر چھوڑ دیا ہے لہٰذا امت عقل اور تجربہ کی روشنی میں مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے خود فیصلہ کرے گی اور قوانین وضع کرے گی۔[٢]

نیز ان کا یہ بھی موقف تھا کہ سنت تشریعیہ صرف وہ سنتیں ہیں جو عبادات اور غیبیات سے متعلق ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قابل اقتدا صرف ان غیبی امور میں ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے پہنچائی ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے خود جو فیصلے کئے ہیں یا معاشرتی قوانین نافذ کئے ہیں یا سیاسی وسماجی احکام بتلائے ہیں یا جنگ صلح اور مالیات سے متعلق تعلیمات ذکر کئے ہیں وہ سب سنت غیر تشریعیہ کے قبیل سے ہیں جن میں آپ کی اتباع واقتدا لازمی نہیں ہے۔[٣]

لکھتے ہیں:"رسول کے متبعین میں شمار ہونے کے لئے ہم سے آپ کی تشریعی سنتوں کا التزام مطلوب ہے، یعنی قرآن کی تفسیر کیونکہ وہ دین ہے، رہی بات سنت غیر تشریعیہ کی مثال کے طور پر سیاست جنگ صلح معاشرتی مسائل قضاء اور ان جیسے دنیاوی معاملات میں آپ کے اعمال وتصرفات، تو ان میں ہماری طرف سے آپ کی اقتدا واتباع فقط اس معیار کو اپنانے سے حاصل ہو جائے گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کا فیصل تھا۔ چنانچہ آپ ملک کے حکمران کے طور پر اس طرز پر حکومت کرتے تھے جس سے امت کی مصلحت ومفاد حاصل ہو، لہٰذا اگر ہم سیاست دان بھی اس طرز سے حکومت کریں جس

---

(١)(الإسلام والمستقبل ص:٧٠٢٣)۔

(٢)(الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية ص:٧٠، ١٠٤، ١٢٠، ١٧٨)۔

(٣)(الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية ص:١٧٩)۔

سے قوم کا مفاد حاصل ہو تو ہم رسول کے متبعین ٹھہریں گے، خواہ ہمارے نظام اور قوانین سیاسی امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث سے متصادم ہوں، کیونکہ مصلحت اپنی نوعیت کے اعتبار سے متغیر اور ارتقا پذیر ہے۔[۱]

"عصمت صرف امور تبلیغ میں حاصل ہے، علاوہ ازیں سنت نبویہ میں امور سیاست اور معاشرتی مسائل کے تحت جو چیزیں مندرج ہیں وہ دین نہیں ہیں"۔[۲]

"سیاست حکومت قضاء اور معاشرتی مسائل دین وشریعت نہیں ہیں جن کے بارے میں سنت میں موجود واقعات اوامر ونواہی اور تطبیقات سے اسوہ اور رہنمائی حاصل کرنا واجب ہو"۔[۳]

"اور جو کچھ دنیاوی معاملات ہیں جیسے حکومت سیاست اور سماجی و معاشرتی مسائل ان کے تعلق سے مرجع عقل اور انسانی تجربہ ہے جو مصلحت کے تابع ہے یعنی پوری امت کی مصلحت کے تابع ہے۔"۔[۴]

"شریعت صرف عبادات ہیں، اور وہ متعین وجامد ہیں تبدیل نہیں ہوتیں، جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو وہ ایک انسانی وضعی قانون ہے، دینی نہیں ہے بلکہ اس کا ماخذ انسانی احکامات ہیں، اور یہ کوئی دینی شریعت نہیں ہے جس کا مصدر شارع (اللہ) سبحانہ وتعالی ہے۔"۔[۵]

۸-ڈاکٹر عمارہ کا موقف تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء والمرسلین اور رسالت محمدیہ کے خاتم الرسالات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسانیت اپنے سن رشد اور بلوغت کو پہنچ چکی ہے بنابریں اب دنیاوی معاملات عقل انسانی کے سپرد ہیں

---

(۱)(الإسلام وقضايا العصر ص:۲۵)۔

(۲)(الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية، ص:۱۰۴)۔

(۳)(الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية، ص:۱۲۰، ۷۸)۔

(۴)(الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية، ص:۱۷۸)۔

(۵)(الإسلام والوحدة الوطنية ص:٦٤)۔

اور آسمانی وصیتیں مرتفع ہو چکی ہیں لہٰذا سیاست قضاء معاشرتی مسائل اور حکومتی اعمال کے فیصلے انسان خود اپنے تجربات اور عقل کی روشنی میں کریں گے، ان معاملات میں دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔(١)

جبکہ اللہ تعالیٰ مکمل صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"۔(٢)

پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کر لیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَـٰلًا مُّبِينًا﴾۔(٣)

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دے، تو کسی مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس بارے میں کوئی اور فیصلہ قبول کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔

٩-جمہوریت کے باطل اصولوں کے مطابق شریعت اسلامیہ اور رب العالمین کے احکامات کی تنفیذ و تحکیم کے بجائے جمہور اور عوام کے لئے حق تشریع و تقنین کا اثبات کرتے ہیں، لکھتے ہیں: شریعت اسلامیہ نے یہ بتلایا ہے کہ امت ہی قوت کا سر چشمہ ہو جو قانون سازی اور ضابطہ سازی کرے اور ان کی تنفیذ کرے"۔(٤)

---

(١)(الإسلام وقضايا العصر ص:١٥، الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية، ص:٦٥)۔

(٢)(سورة النساء الآية:٦٥)۔

(٣)(سورة الأحزاب الآية:٣٦)۔

(٤)(الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية ص:٣٠)۔

"عوام کی مرضی اور خواہش، جس پر جبر نہ کیا گیا ہو اور جس کی آزادی قول وفعل میں سلب نہ کی گئی ہو، ہی اس عوام کا قانون ہے، جسے نافذ کرنے کے لیے ہر حکمران کو ان کا خادم اور وفادار ہونا چاہیے"۔[۱]

۱۰-ڈاکٹر عمارہ سیکولر ازم کے ان دعات کارد کرتے تھے جو دین کو حکومت سے الگ کرنے کی بات کرتے تھے لیکن خود ہی دین وشریعت کو سیاست حکومت قضاء وعدالت اور معاشرتی مسائل سے الگ قرار دیتے تھے اور ان امور سے متعلق وارد احادیث وسنن نبویہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان معاملات میں انسان خود حاکم ہے اور اسے امت کی مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے عقل وتجربہ کی روشنی میں فیصلہ کا اختیار ہے خواہ اس کا فیصلہ سنت نبویہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔[۲]

لکھتے ہیں: "مذہب، عقائد اور عبادات کے بارے میں رسول نے جو حکم دیا اور فیصلہ کیا، وہ ان کی وفات کے بعد بھی منسوخ یا تبدیل نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کی مذہبی اتھارٹی، بطور رسول، ان میں اب بھی موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے دائمی ہونے کی وجہ سے وہ بھی دائمی رہے گا۔ جبکہ جنگ و سیاست کے بارے میں انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے مسلمانوں کے لیے ان کی وفات کے بعد اسے تبدیل کرنا جائز ہے، کیونکہ یہاں ان کی اتھارٹی ان کے انتقال کے ساتھ ختم ہو چکی ہے"۔[۳]

"سیاست حکومت قضاء اور معاشرتی مسائل دین وشریعت نہیں ہیں کہ جن کے بارے میں سنت میں موجود واقعات اوامر ونواہی اور تطبیقات سے اسوہ اور رہنمائی حاصل کرنا واجب ہو"۔[۴]

---

(۱)(الدولۃ الإسلامیۃ ص:۱۸۶)۔

(۲)(الدولۃ الإسلامیۃ ص:۱۶،۶۵)۔

(۳)(الدولۃ الإسلامیۃ ص:۷۶)۔

(۴)(الدولۃ الإسلامیۃ بین العلمانیۃ والسلطۃ الدینیۃ، ص:۱۲۰،۷۸)۔

"اسلام ہی وہ دین ہے جو معاشرتی مسائل میں مصلحت کو نص پر مقدم رکھتا ہے اور بتلاتا ہے کہ شریعت مقاصد و غایات کا نام ہے، اور چیزوں کے حسن وقبح کی معرفت میں امت کی رائے کو مرجع قرار دیتا ہے جو اپنی مصلحت کو دیکھتی ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے"۔(۱)

۱۱- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد ابو بکر میں مرتدین کے ساتھ لڑی گئی جنگوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ساری جنگیں سیاسی نوعیت کی تھیں، مخالفین نے اسلام سے ارتداد نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے مدینہ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا، اسی طرح خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ اور متنبئہ سجاح بنت الحارث سے جو لڑائیاں کی تھیں وہ بھی فقط سیاسی طور پر ان لوگوں کو ریاست مدینہ کے ماتحت لانے کے لئے تھیں۔(۲)

۱۲- ڈاکٹر عمارہ آزادی فکر کے انتہائی بڑے داعی اور موئد تھے حتی کہ انہوں نے لکھا ہے کہ میں "آزادی کفر" کا بھی قائل ہوں یعنی انسان کو مطلق آزادی حاصل ہے جو چاہے کرے جو چاہے بولے اور جیسا چاہے عقیدہ رکھے یہاں تک کہ اگر کفر بھی کرنا چاہے تو وہ بھی کرے، لکھتے ہیں: "أنا مع حرية الفكر إلى أبعد الحدود بل مع حرية الكفر"۔(۳) "میں آزادی فکر کے آخری حدود تک اس کے ساتھ ہوں بلکہ میں آزادی کفر کے بھی ساتھ ہوں"۔

۱۳- عرب قوم پرستی کے داعی تھے، کہتے تھے کہ سارے عرب خواہ ان کے ادیان ومذاہب مختلف کیوں نہ ہوں ایک ہیں، البتہ عرب اور غیر عرب کے درمیان تفریق ضروری ہے خواہ دونوں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔(۴)

---

(۱)(الدولة الإسلامية ص:۱۷۰)۔

(۲)(الخلافة ونشأة الأحزاب الإسلامية، ص:۱۷، -الدولة الإسلامية بين العلمانية والسلطة الدينية، ص:۱۱۴-۱۱۵)۔

(۳)(في مناظرة نقابة المهندسين بالإسكندرية له ۲/۲۰۵)۔

(۴)(الإسلام والعروبة ص:۱۴،۸۱، التراث في ضوء العقل ص:۱۶۴، الإسلام وقضايا العصر ص:۱۱)۔

۱۴- وطن پرستی (patriotism) کے علم بردار تھے اور وطنیت کے رشتے کو دین کے رشتے پر مقدم باور کراتے تھے، لکھتے ہیں کہ وطن کی حفاظت کی خاطر یہود و نصاری اقباط اور مسلمانوں کو آپسی الفت و محبت اور بھائی چارے کے ساتھ رہنا چاہیے۔[۱]

وطن کی محبت ایک فطری امر ہے جس میں کوئی برائی نہیں ہے ہر شخص کو اپنے ماحول اپنے علاقے اور اپنے ملک سے محبت ہوتی ہے لیکن اس محبت کو دین پر مقدم کرنا اور ولاء وبراء کے اصول کو پس پشت ڈال کر کفار سے محبت وبھائی چارہ کا تعلق قائم کرنا حرام بلکہ صریح کفر ہے۔

۱۵- اشتراکیت وسوشلزم کی دعوت دیتے تھے اور لکھتے تھے کہ جن کے پاس زیادہ مال ہو ان سے لے کر غریبوں میں تقسیم کر دینا چاہیے کہ تاکہ دولت کا توازن برقرار رہے۔[۲]

۱٦- ڈاکٹر صاحب شیعہ سنی قربت بلکہ اتحاد کے داعی تھے اور شیعہ سنی کی تقسیم کرنے والوں پر تنقید کرتے تھے، اور مصر کی فاطمی عبیدی شیعی خلافت وخلفاء کی بڑی تعریفیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے ان تعریف وتمجید میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے، ان کا خیال تھا کہ سنی مؤرخین نے ان کے ساتھ ظلم کیا ہے اور ان کی غلط شبیہ پیش کی ہے، نیز کہتے تھے کہ کتابوں میں شیعہ اور اہل السنہ کے مابین جو اختلافات ذکر کئے گئے ہیں ان کا کوئی سر پیر نہیں ہے، نیز لکھتے ہیں کہ مسئلہ امامت کو اگر نکال دیا جائے تو شیعہ اثنا عشریہ اور دیگر فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے نہ ہی اصول وعقائد میں اور نہ ہی فروعات میں۔[۳]

---

(۱)(التراث ص:۲۳۴، نظرة جدیدة ص:۲۲۸)۔

(۲)(ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب "الإسلام والثروة" بالخصوص ص:۵۳، ۵۴، ۵۷، ٦۴، ۷۰، ۷۱)۔

(۳)(عندما أصبحت مصر عربية ص:۴۷، ۱۱۳، تيارات الفكر الإسلامي ص:۲۱۵، ۲۲۱، الإسلام والمستقبل ص:۲۴۴)۔

نیز شریف مرتضی شیعی کی کتاب نہج البلاغہ میں موجود باتوں کی نسبت حضرت علی کی طرف صحیح قرار دیتے تھے اور اس میں موجود باطل باتوں کو بکثرت نقل کرتے تھے۔(۱)

۱۷- سلفیوں اہل حدیثوں پر سخت تنقیدیں اور حملے کرتے تھے اور انہیں "نصوصیون" اور "اہل الجمود" وغیرہ نام دیتے تھے۔(۲) امام محمد بن عبد الوہاب پر اس بنیاد پر طعن و تشنیع کرتے تھے کہ آپ نصوص شریعت کے مقابلے میں عقل و رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، مزید لکھتے ہیں کہ "وہابیہ" کی ابتداء تہذیب و ثقافت اور علوم عصریہ سے دور دیہاتی علاقوں میں ہوئی تھی اس لئے وہ بڑے بھولے اور سادہ لوح واقع ہوئے ہیں جس کی وجہ سے نہ تو وہ علم دوست ہیں اور نہ ہی تمدن پسند ہیں اس لئے وہ ترقی پسند اسلامی عرب ممالک کی علمی و فکری ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہے ہیں۔(۳)

۱۸- ڈاکٹر صاحب آزادی نسواں کے داعی و مناد تھے اور قاسم امین کی حجاب کے خلاف بدنام زمانہ کتاب "تحریر المرأۃ" کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ قاسم امین نے اس کتاب کے اندر جس چیز کی دعوت دی ہے وہی "شرعی حجاب" ہے۔(۴)

نیز کہتے ہیں عورتیں قاضی اور حکمران و سردار بن سکتی ہیں، ہماری کتابوں میں ممانعت کے تعلق سے جو باتیں لکھی ہوئی ہیں وہ اسلامی افکار، فقہی آراء اور فقہاء کے اجتہادات ہیں کوئی دین نہیں ہیں جو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہو۔(۵)

---

(۱)(تیارات الفکر الإسلامی ص:۲۱۸، الإسلام وفلسفۃ الحکم ص:۳۸۱)۔

(۲)(الإسلام والمستقبل ص:۲۴۴، أزمۃ الفکر الإسلامی ص:۸۲، مسلمون ثوار ص:۲۰۳)۔

(۳)(الطریق إلی الیقظۃ الإسلامیۃ ص:۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷)۔

(۴)(الإسلام والمستقبل ص:۲۲۷)۔

(۵)(الإسلام والمستقبل ص:۲۳۷)۔

لکھتے ہیں:"عوامی مقامات پر مرد وزن کا اختلاط جائز ہے۔"۔[۱]

"سیاست، قانون، فنون لطیفہ (آرٹس)، تجارت، صناعت، اقتصاد اور زراعت وغیرہ ہر میدان میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرسکتی ہیں۔[۲]

"عورتیں انتخابات اور پارلیمانی اسمبلیوں میں حصہ لے سکتی ہیں"۔[۳]

"عورتوں کے لئے غیر محرموں کے سامنے چہرے کا پردہ کرنا ضروری نہیں ہے"۔[۴]

حجاب کے بارے میں لکھتے ہیں:"سچ تو یہ ہے کہ اس مسئلے کی جڑیں دین سے زیادہ تہذیب وتمدن اور روشن خیالی سے جڑی ہوئی ہیں"۔[۵] یعنی حجاب کا تعلق دین کے بجائے کلچر سے زیادہ ہے لہٰذا اسے کلچر وثقافت کے نظریہ سے دیکھنا چاہیے۔

ایک سے زائد شادی کے شرعی مسئلہ پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"تعدد ازدواج اور ایک کے بعد ایک شادی جاگیرداری اور جاگیردارانہ ریاست کی علامات میں سے ہیں"۔[۶]

---

(۱)(أبو الأعلى المودودي ص:۳۸۵)۔

(۲)(أبو الأعلى المودودي ص:۳۸۷)۔

(۳)(أبو الأعلى المودودي ص:۳۸۰)۔

(۴)(أبو الأعلى المودودي ص:۲۸۴)۔

(۵)(الإسلام وقضايا العصر ص:۹۰)۔

(۶)(فجر اليقظة القومية ص:۱۱۸)۔

۱۹- حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے تقدیر کے باب میں "جبر" کا عقیدہ ایجاد کیا تھا تاکہ لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈال سکیں کہ خلافت جو ان کے خاندان میں منتقل ہوئی ہے وہ اللہ کی طرف سے مقدر کردہ تھا لہٰذا اب تسلیم ورضا کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔[۱]

۲۰- ڈاکٹر صاحب کا موقف تھا کہ اسلام میں جہاد کا تصور صرف دفاع کے ناحیے سے ہے چنانچہ اسلام میں جہاد تبھی مشروع ہے جب کوئی مسلمانوں پر حملہ کرے یا ان کی عبادات اور دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنے۔[۲]

نیز لکھتے ہیں: "اسلام میں دینی جنگ نام کی کوئی چیز نہیں ہے"۔[۳]

جہاد کو سیاسی معاملہ اور دین سے جدا باور کراتے ہوئے لکھتے: "جہاد بالخصوص قتال- بعض لوگوں کے دعوے کے برخلاف- نہ تو دین کے ارکان میں سے ہے اور نہ ہی اس کے مقاصد میں سے، چنانچہ قتال دعوت کے طریقوں میں سے نہیں ہے"۔[۴]

"جہاد خاص طور پر قتال دین نہیں ہے یعنی دین کے ارکان میں سے نہیں ہے اور نہ ہی دینی طبیعت ونوعیت کا ہے اور نہ دین کے جوہر ومقاصد کا حصہ ہے بلکہ وہ ایک سیاسی معاملہ ہے"۔[۵]

---

(۱)(المعتزلة وأصول الحكم ص:۱۵۱،الإسلام وفلسفة الحكم ص:۱۵۸)۔

(۲)(الدولة الإسلامية ص:۱۳۶)۔

(۳)(الدولة الإسلامية ص:۱۳۶)۔

(۴)(الدولة الإسلامية ص:۹۸)۔

(۵)(الدولة الإسلامية ص:۹۸)۔

ڈاکٹر صاحب متعدد مقامات پر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو جنگیں لڑی تھیں اور جو فتوحات حاصل کی تھیں وہ سیاسی نوعیت کی جنگیں تھیں اور ان کا مقصد وطن کی آزادی اور اپنی خود مختار ریاست کا قیام تھا وہ کوئی دینی لڑائیاں نہیں تھیں۔(١)

٢١-ڈاکٹر صاحب نے ابو بکر، عمر، عثمان، زبیر بن العوام، ابو طلحہ، عبد الرحمن بن عوف اور ابو ذر وغیرہم رضی اللہ عنہم جیسے متعدد صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور ان پر اتہامات والزامات کے تیر برسائے ہیں۔(٢)

٢٢-ڈاکٹر صاحب امام اہل السنہ حسن بصری رحمہ اللہ کو معتزلہ کے کبار ائمہ میں شمار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ امام حسن بصری معتزلہ کے اصول "عدل" کے مطابق تقدیر کے منکر تھے۔(٣)

نیز لکھتے ہیں: "اس بات میں کوئی شک اور بحث وجدال نہیں ہے کہ حسن ان اوائل اہل علم میں سے تھے جنھوں نے معتزلہ اہل العدل والتوحید کے مسلک کے مطابق تقدیر کا انکار کیا تھا..."۔(٤)

٢٣-ڈاکٹر صاحب نے خوارج مرجئہ اور معتزلہ جیسے متعدد گمراہ فرقوں اور غیلان دمشقی، عمرو بن عبید، ابن عربی اور عضد الدین ایجی وغیرہم جیسی گمراہ ترین شخصیات کی تعریفیں کی ہیں۔(٥)

(١)(ملاحظہ فرمائیں: الدولة الإسلامية ص:١٠١، ١٠٤، ١٠٥، ١٠٦، ١١٧، ١١٨)۔

(٢)(ملاحظہ فرمائیں: المعتزلة وأصول الحكم ص:٢٤٢، ٢٤٨، ٣٤٨، مسلمون ثوار ص:٧٨، ٨١، ٨٢، ٧٢، ١٠٨، ١١٦، ١٢٦، الدولة الإسلامية ص:١٢-١٣)۔

(٣)(الإسلام وفلسفة الحكم ص:١٥٩، مسلمون ثوار ص:١٥٥)۔

(٤)(الإسلام وفلسفة الحكم ص:١٦٠)۔

(٥)(ملاحظہ فرمائیں: الخلافة ونشأة الأحزاب الإسلامية ص:١٧، ١٤٢، فجر اليقظة القومية ص:١٣٢، ١٤٤، الخلافة ونشأة الأحزاب الإسلامية ص:١٦٦، ١٧١، ١٧٢، ١٧٣، ١٧٤، ١٨٩، مسلمون ثوار ص:١٤٢، ١٤٣، ١٤٥، التراث في ضوء العقل ص:٢٧٠، ٢٩١)۔

٢٤-ڈاکٹر صاحب کے نزدیک گانا اور موسیقی سننا جائز ہے، چنانچہ اپنے اس موقف کے اثبات و وضاحت کے لئے ڈاکٹر صاحب نے "الغناء والموسيقى حلال أم حرام؟" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں گانوں کی مختلف قسمیں بیان کی ہے ان میں سے ایک قسم حلال گانا و موسیقی ہے۔

٢٥-ڈاکٹر عمارہ کا موقف تھا کہ تصویر کشی اور مجسمہ سازی جائز ہے، احادیث میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ ایک خاص قسم کی تصویر کے تعلق سے ہے جو اس زمانے کے لوگ "عبادت کے لئے بطور معبود" بناتے تھے، اور خاص اسباب کی وجہ سے حرام ہے ایک لہو ولعب دوسرا تبرک و تعظیم جو شرک کا موجب ہو اور جب یہ دونوں اسباب ناپید ہوں تو پھر تصویر کشی اور مجسمہ سازی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لکھتے ہیں کہ جو قاہرہ جاتا ہے اور مثال کے طور پر سعد زغلول کا مجسمہ دیکھتا ہے تو کیا وہ ان کی تعظیم کرتا ہے؟ اور کیا وہ اسے اللہ کے علاوہ شریک ٹھہراتا ہے؟ بلکہ ہم جب بھی ان کا مجسمہ دیکھتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے ١٩١٩ء کا انقلاب یاد آتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ مجسمے تاریخی حادثات محفوظ رکھنے کے لئے ہیں شرک اور تعظیم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔[١]

یہ محض چند اہم ملاحظات ہیں جو اختصار کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں ورنہ ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کے ہر ہر صفحہ میں کوئی نہ کوئی خلاف شرع اور قابل مواخذہ بات موجود ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک گمراہ ترین شخصیت ہیں بلکہ اگر کوئی انہیں ملحد و زندیق اور کافر قرار دے تو بھی اس کا یہ حکم غلط نہیں ہوگا لیکن مسئلہ تکفیر کی سنگینی کی خاطر ہم ایسا حکم لگانے سے ڈرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی گمراہیوں کی مزید تفصیلات جاننے کے شیخ سلیمان بن صالح الخراشی رحمہ اللہ کی مفصل کتاب "محمد عمارة في ميزان أهل السنة والجماعة" کا مراجعہ کریں۔

---

(١)(الغناء والموسیقی حلال أم حرام ص:٦٣-٦٧)۔

A PEN WHICH HAS BEEN RAISED TO ASSIST, DEFEND THE PEOPLE OF TRUTH AND REFUTE FALSEHOOD AND ITS PROPONENTS IS THE BEST KIND.

(Imam Ibn Qayyim Rahimahullah: Al-Tibyan Fi Aemanil Qur'aan, Pg: 310)

Issue 7

Bi Monthly

Manhaj E-Salaf MAGAZINE

Edition-1| Issue-6| Jumada Al-Sani 1445| December: 2023

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ
حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ
تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَا
لُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (سنن الترمذي: 2641)

NARRATED 'ABDULLAH BIN 'AMR: THAT THE MESSENGER OF ALLAH (ﷺ) SAID: "WHAT BEFELL THE CHILDREN OF ISRA'IL WILL BEFALL MY UMMAH, STEP BY STEP, SUCH THAT IF THERE WAS ONE WHO HAD INTERCOURSE WITH HIS MOTHER IN THE OPEN, THEN THERE WOULD BE SOMEONE FROM MY UMMAH WHO WOULD DO THAT. INDEED THE CHILDREN OF ISRA'IL SPLIT INTO SEVENTY-TWO SECTS, AND MY UMMAH WILL SPLIT INTO SEVENTY-THREE SECTS. ALL OF THEM ARE IN THE FIRE EXCEPT ONE SECT." HE SAID: "AND WHICH IS IT O MESSENGER OF ALLAH?" HE SAID: "WHAT I AM UPON AND MY COMPANIONS."